

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا

الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر

14-6-77

جنت میں داخلہ کی شرائط

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَکَلَ طَیِّبًا وَّعَمِلَ فِیْ سُنَّۃٍ وَّاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَہٗ دَخَلَ الْجَنَّۃَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ ھٰذَا الْیَوْمَ لَکَثِیْرٌ فِی النَّاسِ قَالَ وَسَیَکُوْنُ فِیْ قُرُوْنٍ بَعْدِیْ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حلال کھایا اور سنّت کے طریقہ پر عمل کیا اور اس کی زیادتی سے لوگ امن میں رہے وہ بہشت میں داخل ہو گا۔ پس ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! بیشک آج کے دن ایسے لوگ بہت سے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے بعد آنے والے زمانہ میں بھی یہ لوگ ہوں گے (یعنی کم)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں داخلہ کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) حلال روزی کھاتے (۲) سنّت کا اتباع کرے (۳) لوگ اس کی زیادتیوں سے محفوظ و مامون ہوں۔

جو شخص ان تین شرائط پر پورا اترے گا وہی جنت میں داخل ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسے لوگوں کی تعداد اس وقت تو بہت ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے بعد کے آنے والے زمانہ میں ایسے لوگوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔ اس سے دو اشارے نکلتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ رسول اللہ کے بعد کم لوگ ہوں گے جو حلال کی روزی کا اہتمام کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اپنا شعار رکھیں گے اور دوسروں کو تنگ نہ کریں گے۔ دوسرا اشارہ یہ نکلتا ہے لوگوں کے اندر سے ایمان و اسلام بالکل ختم نہیں ہو جائے گا۔ اگرچہ ایمان والوں کی تعداد کم رہ جائے گی۔

آج کے حالات نے آپ کی پیش گوئی حرف بحرف تصدیق کر دی بہت کم لوگ ایسے ہیں جو بالکل پاک، طیب روٹی کھاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ معیشت کے ہر میدان میں یعنی زراعت، صنعت، تجارت اور ملازمت میں دھوکہ بازی، فریب کاری، رشوت ستانی، چور بازاری اور نفع اندوزی عام ہے۔ اگر کوئی شخص ان الائشوں سے بچ کر روزی کمانا چاہے تو اس کے لیے یہ کام بہت دشوار ہوتا جا رہا ہے۔

آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی جگہ فاسد خیالات، نئی نئی رسومات اور غیر شرعی روایات نے لے لی ہے۔ لوگ سنّت کی پرواہ نہ کرتے ہوتے خود ساختہ رسموں کی پیروی کرتے ہیں

اس کے علاوہ لوگوں سے تیسری قسم کی خوبی بھی چھنی جا رہی ہے۔ ہمسائیگی، قرابت اور رشتہ داری کے جذبات و احساسات ختم ہوتے ہوتے جا رہے ہیں۔ نفسا نفسی اور افراتفری خصائص بنتے جا رہے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا مال جان اولاد اور عزّت دوسروں سے محفوظ نہیں ہے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ نیکوکاروں اور راست بازوں کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے۔

جنت میں داخلہ کے اعمال

عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِضْمَنُوْا لِیْ سِتَّۃً مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَضْمَنْ لَکُمُ الْجَنَّۃَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُمْ وَاَدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ وَکُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے سامنے چھ باتوں کا ذمہ لو اور میں تمہارے لیے جنّت کا ذمہ لیتا ہوں۔ جب بولو تو سچ بولو۔ جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔ جب کوئی تمہارے پاس امانت رکھے تو اسے ادا کرو۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، نگاہیں نیچی رکھو اور اپنے ہاتھوں کو روکو۔ ہر مسلمان کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ ہر شخص کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور جو کچھ اس نے دنیا میں کیا تھا سب کچھ اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ برے اعمال کی سزا یہ ملے گی کہ دوزخ کے اندر سخت عذاب، دکھ اور بے چینی میں مبتلا ہو گا اور جب تک ان کی نحوست کا اثر باقی رہے گا۔ (نعوذ باللہ) اچھے اعمال ہوں گے تو جنت میں جائے گا جہاں اسے ہر طرح کا آرام اور چین نصیب ہو گا۔ وہ برے اعمال جن کی وجہ سے انسان دوزخ میں جائے گا اس حدیث میں بتا دیئے گئے ہیں۔ جو شخص دنیا میں ان کاموں سے بچنے کی کوشش کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

رسول اللہ فرماتے ہیں کہ تم چھ باتوں کا ذمہ اٹھا لو اور میرے سامنے اقرار کر لو میں تمہیں جنت میں پہنچانا اپنے ذمہ لے لیتا ہوں۔

(۱) جب بولو سچ بولو، یعنی جھوٹی گواہی سے، دھوکے سے، دغا بازی اور دروغ گوئی سے بچو۔

(۲) وعدہ بہت سوچ سمجھ کر کرو اور جب کر لو تو اسے پورا کرو۔

(باقی صفحہ ۳ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

جلد نمبر ۲۳ —— شمارہ نمبر ۶

جاری کردہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز

مدیر مسئول

جانشین شیخ التفسیر

مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

مدیر:

محمد سعید الرحمن علوی

ادارہ تحریر

◎ —— مولانا محمد اجمل

◎ —— زاہد الراشدی

◎ ——

بدل اشتراک

سالانہ	۴۰.۰۰
ششماہی	۲۰.۰۰
سہ ماہی	۱۰.۰۰
فی پرچہ	ایک روپیہ

۲۷ رجب ۱۳۹۷ھ ۱۵ جولائی ۱۹۷۷ء

جنرل ضیاء الحق کی تقریر

چند گذارشات

پاکستان قومی اتحاد اور پاکستان پیپلز پارٹی کے درمیان ہونے والے مذاکرات مسٹر بھٹو کی کج فہمی، ہٹ دھرمی اور عاقبت نا اندیشی کے سبب ناکام ہوئے تو بری فوج کے سربراہ جنرل ضیاء الرحمن نے بھٹو کا تختہ الٹ کر "مضبوط کرسی" کا تیا پانچہ کر دیا۔ اور بقول خود عارضی طور پر عنان اقتدار سنبھال لی۔

فوجی انقلاب کے حسن و قبح پر گفتگو کرنا لاحاصل ہے۔ زیادہ سے زیادہ پیر پگارا شریف کے الفاظ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ وقت کی ضرورت تھی۔ تاہم اسی شام ریڈیو اور ٹی۔ وی سے نشر ہونے والی تقریر کے متعلق چند گذارشات پیش کرنا ضروری ہیں۔

یہ بات بہرحال لائق تحسین ہے کہ انہوں نے سابقہ روایات سے ہٹ کر قومی زبان اردو میں مختصر تقریر کی اور اس کی ابتدا ذکر خدا اور رسول ؐ سے کی۔

دستور کو کالعدم قرار نہ دے کر انہوں نے اچھی روایت قائم کی ہے۔ اور دستور منسوخ کر کے ماضی میں جو فاش غلطیاں کی گئی ہیں ان سے اپنے آپ کو اور ملک کو بچایا ہے۔

سول عدالتوں کے متعلق یہ اعلان کہ وہ حسب معمول کام کرتی رہیں گی ایک اچھا اقدام ہے۔ اور بعد میں اعلیٰ عدالتوں میں "رٹ" کا حق بحال کر کے "مظلوم طبقہ" کی دادرسی کا دروازہ کھول دیا گیا ہے جس سے بجا طور پر امید پیدا ہو گئی ہے۔ کہ سابقہ دور ظلمت میں جن بے گناہوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور جن میں سے بعض ابھی تک جیل میں ہیں ان کی خلاصی کا انتظام ہو جائے گا۔

اور "رٹ" کا حق بحال کرنے سے ایک اور بھی فائدہ متوقع ہے اور وہ یہ کہ ماضی کے حکمرانوں کے ابلیسی کارنامے عدالتوں کے ذریعہ واضح ہو سکیں گے اور امید ہے کہ اس طرح وہ لوگ اپنے انجام تک پہنچ جائیں گے۔

وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو تو ختم ہونا ہی تھا گورنروں تک کو چھٹی دینا بھی اس لحاظ سے مناسب ہے کہ ان "شرفا" نے آئین و دستور کا پاس و لحاظ کرنے کے بجائے "شخص واحد" کی آمریت کو سہارا دینے میں اپنا کردار ادا کیا اور اس طرح مجرمانہ حرکت کا ارتکاب کیا۔ امید قوی ہے کہ عبوری دور کے

گورنر جو چاروں صوبوں کی اعلیٰ عدالتوں کے چیف جج ہونے کے ناطے سے انتہائی قابل احترام ہیں۔ نظم و انتظام کے سلسلہ میں اعلیٰ روایات کی بنیاد ڈال کر ملک کی خدمت کریں گے اور ”سکھا شاہی“ کی ظالمانہ روایات کا قلع قمع کر دیں گے۔ فیڈرل سیکورٹی فورس کی تنظیم نو کا اعلان کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم گذارش کریں گے کہ اس فورس کے ذمہ دار عناصر کا شدید ترین محاسبہ وقت کی اہم ضرورت ہے — یہ واضح حقیقت ہے کہ اس فورس میں شامل افراد نے شرافت و انسانیت کی اعلیٰ اقدار سے بے نیاز ہو کر درندگی و بربریت کا وہ ریکارڈ قائم کیا کہ توبہ بھلی!

لاتعداد معصوم بچے ان وحشیوں کی گولیوں کا نشانہ بنے، ہزاروں افراد مختلف اعضاء سے محروم ہوئے اور ان کی زندگیاں ان کے لیے بوجھ بن گئیں۔ ان دشمنانِ خدا و رسولؐ نے ایک ”سیاہ باطن“ فرد کی فرعونیت کو تحفظ دینے کی غرض سے مساجد کی بے حرمتی کی۔ قرآن پاک کی توہین کی، علماء کی داڑھیوں کو نوچا اور ہر وہ کام کیا جو یہ کر سکتے تھے۔ ان کے معاملہ میں عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو ان کے کئے کی شدید سزا دی جائے تاکہ آئندہ چل کر کوئی بھی ٹولہ اس قسم کی روایت کو دہرا نہ سکے۔

موصوف نے اپنی تقریر میں آنے والے اکتوبر میں انتخابات کرا کے اقتدار عوامی نمائندوں کو سونپنے کا وعدہ کیا ہے اور اس بات کو بار بار دہرایا ہے کہ گویا عزم بالجزم کا اظہار کیا ہے۔

اس ضمن میں ہم یہ بات واضح کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ مسٹر یحییٰ نے ۷۰ء میں جو انتخابات کرائے وہ واقعۃً آزادانہ اور منصفانہ تھے۔ یحییٰ خاں کی ہزار غلطیوں کے باوجود انتخابات کے ضمن میں اسے مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں بھٹو صاحب کے ساتھ شراب و کباب کے معاملہ میں مبینہ ہم آہنگی اس شخص کو لے ڈوبی اور وہ اپنے دورِ اقتدار میں کرائے گئے مثالی انتخابات کے نتائج کو بروئے کار نہ لا سکا جس کی وجہ سے ناقابلِ تلافی صدمہ سہنا پڑا۔

اگر اس طرح کے انتخابات ضیا صاحب کروا لیے میں کامیاب ہو گئے اور ان کے نتائج کے مطابق انتقال اقتدار کا مرحلہ مکمل ہو گیا تو قوم اطمینان کا سانس لے گی۔ بصورت دیگر جس طرح ”یحییٰ“ تاریخ کی ناپسندیدہ ترین شخصیت بن گیا وہی صدمہ آپ کو بھی سہنا پڑے گا (خدا کرے کہ ایسا نہ ہو۔ اور اگر ۷۱ء کے المیہ کی تحقیق ہو جائے اور ”مجرم“ تختۂ دار پہ لٹکائے جا سکیں تو سبحان اللہ!

اس ضمن میں ایک بات عرض کرنا ضروری ہے کہ انتخابات کے سلسلہ میں جن قانونی ماہرین کی خدمات حاصل کی گئی ہیں ان میں سابق جسٹس منیر صاحب کا نام بھی شامل ہے منیر صاحب نے ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں جو سیاہ کردار ادا کیا وہ نہ صرف ملک و قوم سے کھلی دشمنی تھی بلکہ اللہ اور اس کے رسول برحق کے واضح احکامات سے بھی کھلا فرار تھا۔ پھر مولوی تمیز الدین مرحوم کی اپیل کے سلسلہ میں موصوف کا کردار قتل جمہوریت کے مترادف تھا۔ اس لیے اس قسم کے افراد سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے بے داغ کردار کے مالک افراد سے رہنمائی حاصل کی جائے اور الحمد للہ کہ اس قسم کے افراد کی ہمارے یہاں کمی نہیں۔

جنرل صاحب نے قومی اتحاد کی تحریک کے ضمن میں مسلمان قوم کے ”جذبات ایمانی“ کو جس طرح سراہا اور پاکستان کی قسمت کو اسلام سے وابستہ کیا وہ ”اعترافِ حقیقت“ کے ضمن میں آتا ہے اور یہ ان کی طرف سے تحریک کے قائدین اور ورکروں کو گویا زبردست خراج عقیدت ہے اور ابھی کل گذشتہ راولپنڈی کی ایک مسجد میں خطبہ جمعہ کے دوران اپنے خطاب میں جو فرمایا وہ اخبارات کی رپورٹ کے مطابق یہ ہے:—

”گذشتہ چار ماہ کی تحریک کے دوران علماء نے نظامِ اسلام کے نفاذ کے لیے جو جد و جہد کی ہے وہ لائق تحسین ہے!“

مزید کہا کہ (عوام) جذباتی نہ بنیں بلکہ عملی زندگی گزاریں۔ انہوں نے کہا کہ آج ہمیں جذباتی بننے کی ضرورت نہیں بلکہ عمل کرنے کی ضرورت ہے، قوم صرف اس وقت مضبوط ہو گی، جب وہ اسلام کو عملی طور پہ اپنائے گی اور مضبوط کردار کا مظاہرہ کرے گی۔ آج سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم انسانوں کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔ انہوں نے

[illegible] ۳۰

۲۸ر رجب ۱۳۹۷ھ

خطبۂ جمعہ

ترتیب :

اسراء و معراج

★ ز معراجش چہ می پرسی کہ "سبحان الذی اسریٰ" ★



۲

جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہم

بعد از خطبہ مسنونہ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا
اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (پ۱۵)

محترم سامعین !

پچھلے جمعہ اس آیت کی مختصر تفسیر و تشریح اور سفر معراج کا اجمالی حال بیان کر چکا ہوں۔ آج یہ عرض کرنا ہے کہ اس مہتم بالشان سفر سے واپسی کے بعد کیا ہوا ۔ ؟

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ معراج کی شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں استراحت فرما تھے۔ فجر کی نماز کے بعد آپؐ نے فرمایا ۔ ام ہانی ! میں نے عشاء کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی جیسا کہ تم نے دیکھا اور اب صبح کی نماز بھی تمہارے ہی ساتھ پڑھی جیسا کہ دیکھ رہی ہو — یہ بیان فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر جانے لگے تو میں نے آپ کی چادر پکڑ لی اور عرض کیا کہ یہ واقعہ لوگوں سے بیان نہ فرمائیں وہ جھٹلائیں گے اور آپؐ کو اذیت دیں گے مگر آپؐ نے فرمایا کہ بخدا میں اس واقعہ کو ضرور بیان کروں گا ۔ اور یہ فرما کر آپؐ گھر سے باہر تشریف لے گئے ۔

روایات میں آتا ہے کہ جب آپؐ نے لوگوں کو یہ واقعہ سنایا ۔ تو وہ بہت حیران ہوئے ۔ تمسخر اور استہزاء کرنے لگے ۔ اور کہا ۔ کہ ہمیں کوئی نشانی بتلاؤ تاکہ یقین آجائے اور بیت المقدس کے بارے میں سوالات شروع کر دیے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے ان کے سوالات سے بہت تکلیف ہوئی ۔ کیونکہ انہوں نے بیت المقدس کے متعلق ایسی ایسی باتیں دریافت کیں جو مجھے مستحضر نہ تھیں ۔ پھر اللہ تعالےٰ نے (مہربانی فرمائی اور) تمام حجابات دور فرما دئے اور بیت المقدس مجھے نظر آنے لگا ۔ پھر جو کچھ وہ پوچھتے تھے میں انہیں بتلاتا جاتا تھا ۔ نیز آپؐ نے انہیں ان قافلوں کے احوال بھی بتلا دئے جو آپؐ نے راستہ میں دیکھے تھے ۔ مگر اپنے تمام سوالات کا تسلی بخش جواب پا کر بھی وہ لوگ شرارت سے باز نہ آئے اور برابر مذاق اڑاتے رہے ۔

محترم حضرات ! آپ میں سے کچھ حضرات جمعہ کی نماز عموماً اس مسجد میں ادا کرتے ہیں ۔ بعض حضرات ایسے بھی ہیں آپ میں سے جو روزانہ کئی کئی مرتبہ اس مسجد میں آتے جاتے ہیں ۔ اب اگر کوئی آپ میں سے کسی سے پوچھے کہ بتاؤ شیرانوالہ کی مسجد میں کتنے پنکھے لگے ہوئے ہیں ، اس کے دروازے کتنے ہیں ، روشندانوں کی تعداد کیا ہے ؟ تو آپ یقیناً گھبرا جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم اس مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہیں کھڑکیاں ، در ، روشندان گننے کے لیے نہیں ۔ اللہ کے نبیؐ سے اسی طرح کے بے تکے سوالات کئے گئے ۔ جن کی وجہ سے آپؐ تھوڑی دیر کے لیے

پریشان ہوئے مگر پھر اللہ نے فضل فرمایا اور بیت المقدس وہیں سے نظر آنے لگا۔ اور اس طرح آپ نے ان کے ہر سوال کا بلا ادنیٰ تامل کے اور نہایت آسانی کے ساتھ جواب مرحمت فرمایا۔

تصدیقِ صدیق

روایات میں آتا ہے کہ مخالفین نے جب اس حیرت انگیز سفر کا حال سنا تو انہیں یہ امید پیدا ہوگئی کہ یہ عجیب و غریب واقعہ سن کر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رفیقِ خاص ابوبکر ضرور ان سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ اور وہ یقیناً اس واقعہ کی تکذیب کریں گے۔ چنانچہ وہ خوشی خوشی حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں ایک ہی رات میں بیت المقدس گیا۔ وہاں نماز پڑھی اور پھر واپس لوٹ آیا۔ تو کیا آپ یقین کریں گے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ تو بعید از عقل ہے۔ کافر بولے کہ تمہارا دوست ہی یہ کہتا ہے کہ میں آج رات بیت المقدس سے ہو آیا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اگر وہ فرماتے ہیں تو بلاشبہ صحیح فرماتے ہیں۔ کافروں نے پھر سوال کیا کہ کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو کہ ایک ہی شب میں بیت المقدس گئے بھی اور آئے بھی — (جب کہ بیت المقدس یہاں سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر واقع ہے) فرمایا۔ ہاں میں تو اس سے بھی زیادہ اہم امور کی تصدیق کرتا ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ اُن خوش قسمت اور خدا رسیدہ لوگوں کے مقتدا ہیں جو (ع) "عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفیٰ" کے قائل ہوتے ہیں۔ وہ شخص بڑا ہی بدبخت و بدنصیب ہوتا ہے جو خدا یا اس کے پیغمبر کے سامنے بیرسٹر یا منطقی اور فلسفی بن کر کج بحثی کرے عقل انسان کو اس لیے نہیں دی گئی کہ اس سے خدا اور نبی سے مناظرہ کیا جائے اور ان کے احکامات پر نکتہ چینی کی جائے۔ عقل کو وحی کے مقابل لانا بے عقلی اور نادانی ہے۔ وحی کا مقام چاہے وحی متلو (قرآن پاک) ہو یا وحی غیر متلو (حدیث شریف) عقل سے بہر حال بلند تر ہے۔ وحی کے سامنے عقل و خرد کو پامال کر دینا ہی عقلمندی اور سعادت مندی و خوش بختی ہے ——— یاد رکھئے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

اگر کوئی بدبخت اللہ کے کسی حکم کی تعمیل محض اس وجہ سے نہیں کرتا کہ وہ اس حکم کو عقل کے خلاف سمجھتا ہے یا اس کی طبیعت اس پر مائل نہیں ہوتی تو ظاہر ہے کہ اس نادان اور بدنصیب نے اپنی عقل اور سمجھ اور اپنی طبیعت و خواہش کو ہی خدا کا درجہ دے رکھا ہے۔ خدا کی بات ٹھکرا رہا ہے اور اپنی عقل اور خواہش کا فیصلہ قبول کرتا ہے۔ بڑا ظالم اور بڑا بدبخت ہے وہ شخص جو خدا کی بات کو اپنی عقل کی ترازو میں تولتا ہے۔

ع : بریں عقل و دانش ببابد گریست۔ قرآن پاک میں ہے اَرَأَيْتَ الَّذِي مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے خواہشاتِ نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ اور ارشاد ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہشوں پر چلتا ہو۔

تو حضرت ابوبکرؓ نے صاف صاف فرما دیا کہ چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جب حضورؐ فرماتے ہیں تو سچ ہی سچ ہے — رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

معراج کس طرح ہوئی؟

اس سفر کی عظمت اور علوِ شان سے مرعوب اور دہشت زدہ ہو کر بعض لوگوں نے اسے خواب کا واقعہ قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں بیداری میں ایسا سفر پیش نہیں آیا۔ مگر جمہور اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ معراج حالت بیداری میں اور بجسدِ عنصری ہوئی۔ اس لیے کہ قرآن پاک نے جس ممتاز انداز کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے وہ جسمانی معراج پر دلالت کرتا ہے۔ جس آیت میں اس واقعہ کا ذکر ہو رہا ہے اُس کی ابتداء سُبْحَانَ سے ہوئی ہے۔ جس کی مختصر تشریح ہم پچھلے جمعہ کو کر چکے ہیں — نیز اس آیت میں لفظ اَسْرٰی آیا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے "روح مع الجسد" کو رات کے وقت لے چلا۔ قرآن پاک میں ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم ہوا — کہ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ۔ اپنے اہل خانہ کو رات کے وقت لے چلو۔ اس کے معنے یہ ہرگز نہیں کہ ان کی روح نکال لو۔ اور پھر روح کو لے چلو۔ اسی طرح ایک اور مقام پر یہ لفظ اسی معنیٰ میں (یعنی روح مع الجسد) استعمال ہوا ہے اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ ——— تو یہ لفظ اسراء روح مع الجسد کو رات کے وقت لے چلنے کے لیے استعمال ہوتا ہے صرف روح کے لیے یا صرف جسد کے لیے نہیں۔ آیت اسراء میں بھی یہ لفظ اسی

معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی صرف آپ کی روح کو نہیں بلکہ روح اور جسم دونوں کو سیر کرائی۔

مزید برآں اس آیت میں عَبْد کا لفظ آیا ہے۔ اور عبد روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ محض روح یا محض جسم پہ اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ قرآن پاک میں لفظ عبد بہت جگہ آیا ہے اور ہر جگہ اس سے روح مع الجسد ہی مراد ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی وغیرہ۔

جمہور اہل اسلام کہتے ہیں کہ اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو یہ کوئی اتنی بڑی بات نہ تھی کہ اللہ جلّ مجدہٗ اس قدر اہتمام اور خصوصی انداز سے اس واقعہ کو بیان فرمائے اور نہ حضرت ام ہانیؓ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر جاکر لوگوں کو یہ واقعہ سنانے سے منع کرتیں۔ نہ کفار کج بحثی اور بے تکے سوالات کرتے اور نہ انہیں یہ امید بندھتی کہ (حضرت) ابوبکر یہ واقعہ سن کر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔

گرامی قدر حضرات! خواب میں بیت المقدس کا دیکھنا کون سی بڑی بات ہے۔ خواب میں تو بہت سے لوگ دور دور کی سیر کر لیتے ہیں۔ لاہور کے کتنے شہری ہوں گے جنہوں نے خواب میں مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ دیکھا ہوگا یا لندن اور نیویارک وغیرہ کی سیر کی ہوگی مگر کیا کسی نے کبھی یہ اعتراض کیا ہے کہ میاں لندن تو یہاں سے ہزاروں میل دور ہے تو نے خواب میں کیسے دیکھ لیا۔ بلکہ آپ کو دنیا بھر میں اس کی مثال نہیں ملے گی کہ کسی نے خواب میں کوئی جگہ دیکھی ہو اور پھر اس پر یہ اعتراض ہوا ہو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ جگہ جو آپ نے خواب میں دیکھی ہے یہاں سے کافی فاصلے پر ہے اعتراض کی گنجائش اس لیے نہیں کہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ خواب میں انسان دور سے دور جگہ کو بھی دیکھ سکتا ہے حتیٰ کہ آسمانوں پہ بھی جا سکتا ہے۔ تو جب ایک عام آدمی خواب میں دور و نزدیک ہر جگہ کو دیکھ سکتا ہے اور اس دیکھنے پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا۔ تو اگر یہ مبارک سفر خواب ہوتا تو حضورؐ پر اس قدر اعتراضات کیوں کیے جاتے۔ اس درجہ شور کیوں برپا کیا جاتا۔ مذاق اور تمسخر کی نوبت کیوں آتی۔ اور مخالفین کو ابوبکرؓ ایسے سچے اور فقید المثال رفیق تک کے ڈگمگا جانے کی امید کیوں پیدا ہوتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنا کچھ ہونے پر بھی بعض لوگ اسے خواب ہی سمجھتے ہیں ؎

وہاں دین وایمان سب لٹ گئے
مزا یہ ہے ان کو خبر بھی نہیں

اَجْنَاؤُھَا اَبْنَاؤُھَا

معراج کے متعلق کفار نے جو بھی سوالات کئے اور جتنے بھی اعتراضات اٹھائے ان کے انہیں تسلی بخش جوابات مل گئے۔ مگر اس کے باوجود اس واقعہ پر اعتراضات کا سلسلہ جاری ہی رہا۔ کفارِ مکّہ اور ان کے بعد ان کے پیرو کاروں نے اس عظیم الشان سفر پر ایسے ایسے غلط اور بے ہنگم اعتراض کئے کہ خدا کی پناہ! —— مگر اللہ کی بھی عجیب شان ہے کہ مخالفین اسلام نے اس سفر پر یا اسلام کے دیگر مسلّمہ امور پر جو بھی اعتراض کیا ہے اس کا جواب اللہ نے خود ان معترضین سے ہی دلوایا ہے اور بظاہر اس انداز سے دلوایا ہے کہ انہیں اس کا احساس بھی نہ ہونے دیا۔ کہ ہم اپنے ہی اعتراض کا جسے ہم نے اسلام دشمنی کے جذبہ کے تحت بڑی محنت سے گھڑا تھا، قلع قمع کر رہے ہیں۔

مثال کے طور پر اس مبارک سفر کے متعلق ان کا اعتراض تھا کہ اس قدر تیز رفتاری ممکن نہیں ہے کہ کوئی شبا شب آسمانوں پر چلا بھی جائے اور وہاں سے آ بھی جائے۔ مگر اب یہی مخالفین و معترضین کہتے ہیں کہ سرعتِ رفتار کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔

ایک اور اعتراض یہ تھا کہ کفار کے سوالات کے وقت بیت المقدس آنحضرتؐ پر کیسے منکشف ہو گیا۔ مگر اب انہوں نے ٹیلیویژن وغیرہ ایجاد کر کے دکھا دیا کہ اگر کوئی شخص اسلام آباد میں تقریر کر رہا ہو تو وہ لاہور والوں کو نظر آ سکتا ہے۔

اس کے علاوہ منکرین اسلام نے اسلام کے دیگر مسلّمات پر جو اعتراض کئے اور پھر خود ہی غیر شعوری طور پر ان اعتراضات کو غلط ثابت کیا ان کی بھی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے روز اعمال و اقوال (نماز، روزہ، جھوٹ، زنا، وغیرہ) تولے جائیں گے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اعمال کا جسم نہیں ہوتا اور جس چیز کا جسم نہ ہو اس کو تولنا ممکن نہیں ہوتا۔ مگر اب انہوں نے ہی

ایسے ایسے آلات ایجاد کر لیے ہیں جو ایسی چیزوں کو ناپتے اور تولتے ہیں جن کا بظاہر کوئی جسم نہیں ہوتا جیسے گرمی، سردی کا درجہ معلوم کرنے کے آلات ــــ اور بخار وغیرہ تولنے کے لیے تھرمامیٹر وغیرہ۔

۲۔ قرآن پاک میں ایک درخت (زقّوم) کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ دوزخ کی جڑ میں اُگتا ہے۔ وہ اس پر اعتراض کرتے کہ بھلا آگ میں بھی کوئی درخت اُگ سکتا ہے یا باقی رہ سکتا ہے مگر اب وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بھی ایسے پودے پائے جاتے ہیں جن کی نشوونما کے لیے آگ ضروری ہوتی ہے۔

عربی زبان کا ایک محاورہ ہے اجاؤھا ابناءھا مطلب یہ ہے کہ آج جو لوگ اس عمارت کو گرا رہے ہیں وہ ہی اس کو بنانے والے تھے۔ یعنی عمارت کے معمار ہی عمارت کو ڈھا رہے ہیں۔ یہ کہاوت ان منکرین و مخالفین اسلام پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ یعنی دین حق پر اعتراضات کی جو بنیاد وہ بڑی محنت سے کھڑی کرتے ہیں کچھ ہی مدت بعد اپنے ہی ہاتھوں اُسے منہدم بھی کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح غیر شعوری طور پر اپنے اعتراض کی تغلیط کر لیتے ہیں۔

قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ دعویٰ مسلمان کرتے ہیں دلائل یہ غیر مسلم فراہم کرتے ہیں۔ دعویٰ ہم نے کیا کہ اعمال جو اعراض ہیں اور ان کا مستقل جسم نہیں ہے تولے جائیں گے۔ تھرمامیٹر کو ایجاد کر کے ثبوت اور دلیل انہوں نے فراہم کر دی۔

دعویٰ ہم کرتے ہیں کہ تختِ سلیمانی ہوا میں اڑتا تھا ہوائی جہاز وغیرہ بنا کر مشاہدہ انہوں نے کرا دیا۔

حدیث شریف میں آتا ہے ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاسق۔ کہ اللہ تعالےٰ فاسق سے بھی اپنے دین کی خدمت لے لیتا ہے۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالےٰ انہیں سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

خلاصہ یہ کہ یہ مبارک سفر جسمانی تھا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو ذاتِ پاک زمین و آسمان لوح و قلم اور عرش و کرسی کے تخلیق پر قادر ہے وہ نبیؐ کو ان اشیاء کی سیر کرانے پر بھی قادر ہے۔

معراج پر جس نے جو بھی اعتراض کیا ہے۔ علماء ربانی نے اس کا دندان شکن جواب دیا ہے۔ تفصیل کا وقت نہیں۔ ورنہ مزید کچھ عرض کرتا۔

آخر میں اس معجز و لا جواب سفر سے متعلق ایک واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں جو تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ دلائل النبوۃ (مصنفہ ابو نعیم اصبہانی) نقل کیا گیا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کو نامۂ مبارک دے کر شاہِ روم کے پاس بھیجا۔ شاہِ روم ہرقل نے نامہ مبارک پڑھا اور پھر رسول اللہؐ کے حالات معلوم کرنے کے لیے ابوسفیان اور ساتھیوں کو بلایا (جو اس وقت بغرض تجارت وہاں گئے ہوئے تھے) اور پھر ان سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوالات کیے۔ ابوسفیان جو اس وقت کافر بلکہ کافروں کا سردار تھا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت ان کی دلی خواہش یہی ہوگی کہ حضورؐ کے متعلق ایسی باتیں بیان کریں جنہیں سن کر شاہِ روم کے دل میں نفرت بیٹھ جائے۔ مگر ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں نے ہر سوال کا درست جواب دیا۔ غلط بیانی اس لیے نہیں کی کہ مجھے اس بات سے شرم آتی تھی کہ یہ لوگ کہیں گے کہ ابوسفیان نے جھوٹ بولا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے اُس وقت خیال آیا کہ معراج کا واقعہ سنا دوں تو بادشاہ خود بخود سمجھ جائے گا کہ یہ واقعہ غلط ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے بتایا کہ اس مدعیٔ نبوّت کا دعوےٰ ہے کہ میں ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے مکہ لوٹ آیا۔

قدرت خدا کی جس وقت ابوسفیان یہ بیان کر رہے تھے بیتِ المقدس کا سب سے بڑا پادری اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس نے یہ سنا تو کہا میں اس رات کو جانتا ہوں۔ ہرقل اُس کی طرف متوجہ ہوا اور دریافت کیا۔ آپ کو کیسے خبر ہوئی۔ اُس نے بتایا کہ میرا معمول تھا کہ جب تک رات کو بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہ کر لیتا سوتا نہیں تھا۔ اُس رات جب حسب عادت میں نے تمام دروازے بند کرنے چاہے تو ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ ہر چند زور لگایا مگر ناکام رہا۔ مجبوراً میں نے دوسرے لوگوں کو بلایا مگر دروازہ بند نہ کر سکے۔ اور یہ طے پایا کہ صبح کو کوئی ترکیب سوچیں گے۔ صبح ہوتے ہی جب میں اُس دروازہ کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ دروازہ کے پاس ہی ایک پتھر میں سوراخ ہوا ہے۔ اور ایسا لگا جیسے کوئی جانور اس سے باندھا گیا ہو۔ میں نے اسی وقت اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ آج رات دروازہ شاید اس لیے بند نہ کر



نعت

اللھم صل علی النبی الامی

احسان دانش

دل عشقِ محمد میں گرفتار ہُوا ہے
مُدت میں نصیبا مرا بیدار ہُوا ہے

جو اہلِ جنوں محرمِ اسرار ہُوا ہے
کس دن وہ اسیرِ در و دیوار ہُوا ہے

اک جذبِ مقدس مری رگ رگ میں ہے رقصاں
اک نشّۂ نو روح میں بیدار ہُوا ہے

روشن ہیں دُھندلکوں کی جگہ نور کی قندیل
وہ مہرِ مبیں دل پہ ضیا بار ہُوا ہے

جو بھول گیا سب کو ترے شوقِ لقا میں
وہ رازِ دو عالم سے خبردار ہُوا ہے

اِک وقت تھا وہ بھی کہ مری راہ میں حائل
دیوار نہیں سایۂ دیوار ہُوا ہے

انوار ہیں، انوار ہیں ہر وقت مرے ساتھ
آسان مجھے ہر جادہ دشوار ہُوا ہے

دی ہے تجھے گردوں کے فرشتوں نے سلامی
مقبولِ دو عالم تیرا کردار ہُوا ہے

ہے مائلِ الطاف و کرم وہ شہِ لولاک
سلطان فقیروں کا طرفدار ہُوا ہے

آقا کسی دن اب تو حضوری میں بلا لو
اِس دور میں جینا مجھے دشوار ہُوا ہے

اک معترفِ لطف و کرم اور ثنا خواں
آمادہ بشکلِ لبِ اظہار ہُوا ہے

نازل تو ہوئے شعر مگر پاسِ ادب سے
خامہ مرا رک رک کے گہربار ہُوا ہے

اس روضۂ اقدس پہ پہنچ کر دلِ بیتاب
آگاہِ مقامِ فلک آثار ہُوا ہے

آنکھوں کا یہ عالم ہے ٹھہرتے نہیں آنسو
دِل ہے کہ مدِینے کا طلبگار ہُوا ہے

ہر سانس ہے جگنو کی طرح روشن و بیتاب
جو نالہ ہے اک نور کا مینار ہُوا ہے

خوابوں میں وہ آتے تھے مگر اب کئی دِن سے
جیسے کوئی وا عالمِ اسرار ہُوا ہے

ہے روح پہ مہکے ہوئے انوار کی بارش
دِل جلوہ گہہ احمدِ مُختار ہُوا ہے

راتوں کو گئے ہیں ترے دِیوانے جدھر بھی
صحرا کا افق مطلعِ انوار ہُوا ہے

جاگے تیری آہٹ سے عناصر میں ارادے
انساں تیری آواز سے بیدار ہُوا ہے

سجدے میں ہے اصرار گرا سایۂ دیوار
جس راہ میں وہ مائلِ رفتار ہُوا ہے

دنیا میں کہیں ہاتھ نہ پھیلا ہے نہ پھیلے!
ہاں تیرا سہارا مجھے درکار ہُوا ہے

جبریلؑ تھا جس در پہ پسینے میں شرابور
ناچیز وہاں حاضرِ دربار ہُوا ہے

معراج میں جبریلؑ رہے تا حدِ سدرہ
کب ان کو بھی اندازہ رفتار ہُوا ہے

مرتے ہیں اسی بات پہ سب خضر و مسیحا
جس بات سے جینا مجھے دشوار ہُوا ہے

کیوں آنکھ اٹھے گی مہ و خورشید کی جانب
اک بار بھی جس کو تیرا دیدار ہُوا ہے

جو تیری طلب تیری تمنا میں تھا غلطاں
وہ صاحبِ دِل، صاحبِ کردار ہُوا ہے

غمخانۂ دانش میں کئی بار اجالا
سرکار ہُوا ہے مری سرکار کا صدقہ



آں امنّ الناس بر مولائے ما

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

ماسٹر عبدالرحمٰن لودھیانوی مرحوم شیخوپورہ

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ وہ ذاتِ گرامی ہے جس نے اس وقت اسلام قبول کیا جب کہ ساری دنیا اس کی مخالف تھی پھر تن، من، دھن سب کچھ اسلام پر قربان کیا۔ جن کا ذکر قرآن میں آتا ہے جو یارِ غار کہلائے۔ جنہوں نے غزوۂ تبوک میں سارا مال و اسباب، گھر بار سرکارِ دوجہاں محبوب کبریا جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔

جن کی بابت نبی کریم ؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان کے احسانات کا بدلہ دنیا میں نہیں دے سکا۔ قیامت کے دن اللہ تعالٰے فرمائے گا۔ اور اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ جس ذات نے واقعہ معراج النبی کی بلا ردّ و کد تصدیق کی اور پیغمبر عالم کی زبانِ مبارک سے جنہیں صدیق کا بہترین لقب ملا۔

جس ذات کے متعلق حضرت عمر کی رائے یہ ہے کہ اگر تمام اہلِ زمین کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں ابوبکر کا ایمان رکھا جائے تو بلاشک حضرت ابوبکر کا پلڑا بھاری ہوگا۔ اور جس ذات کو آنحضرت کی وفات کے بعد آپ کی جانشینی اور خلافت کی پہلی عزت ملی۔ جو اہل سنت، انبیاء کے علاوہ دنیا کے آدمیوں سے افضل ہیں اور جن کا جنتی ہونا یقینی ہے۔ جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی دنیا ہی میں خوشخبری دی۔ بلکہ جنتیوں کی ایک جماعت کا سردار بتلایا۔ ان کا یہ عالم تھا کہ قیامت کے خوف اور یقین آخرت کے تصور سے پتلیوں کا رنگ روتے روتے بدل گیا تھا۔ اور چہرے پر آنسوؤں کی وجہ سے دو نیلگوں خط سے پڑ گئے تھے۔

جنہوں نے اپنی بیماری میں حضرت عائشہ سے فرمایا کہ دیکھو ایک دودھ پلانے والی اونٹنی۔ ایک برتن۔ ایک چادر اور ایک لونڈی جو بیت المال سے مجھے دی گئی تھی اس کو بیت المال میں واپس کر دینا۔

جب حضرت عائشہ نے یہ چیزیں حضرت عمر کو بھیجیں تو حضرت عمر بہت روئے اور فرمایا "اے ابوبکر! اللہ کی رحمت آپ پر ہو۔ آپ نے اپنے جانشین کے لئے بہت مشکل نمونہ چھوڑا"۔ قریب وفات فرمایا۔ عمر ابن خطاب نہ مانا اور مجھ کو بیت المال سے وظیفہ دلایا۔ یہاں تک کہ چھ ہزار درہم بیت المال کے اب تک میرے نام پر صرف ہو چکے ہیں۔ اچھا میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال میں داخل کر دینا۔ ربیعہ سلمی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے اور ابوبکر صدیق میں کچھ بات بڑھ گئی اور انہوں نے مجھے کوئی سخت لفظ کہہ دیا جو مجھے ناگوار گزرا۔ فوراً ان کو خیال ہوا۔ فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو بھی مجھے کہہ دے تاکہ بدلہ ہو جائے۔ میں نے کہنے سے انکار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یا تو کہہ لو ورنہ حضور سے شکایت کرونگا میں نے اس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔ بنو اسلم کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے۔ کہ یہ بھی اچھی بات ہے کہ خود ہی زیادتی کی اور خود ہی اُلٹے حضور سے شکایت کریں۔ میں نے کہا تم جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ ابوبکر صدیق ہیں اگر یہ ناراض ہو گئے تو اللہ کا لاڈلا رسول مجھ سے خفا ہو جائینگے پھر ربیعہ کی ہلاکت میں کیا تردد ہے؟ اس کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ ٹھیک ہے تجھے ابوبکر کے جواب میں اور بدلہ میں کہنا نہیں چاہیئے۔ البتہ یوں کہہ دو کہ اے ابوبکر! اللہ آپ کو معاف فرمائیں

تاریخ الخلفا میں ہے کہ حضرت ابوبکر ایک مرتبہ ایک باغ میں

تشریف لے گئے وہاں ایک پرندے کو دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری اور فرمایا تو کس قدر خوش قسمت ہے کہ کھاتا ہے، پیتا ہے درختوں پر بیٹھتا ہے اور قیامت میں تجھ سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ کاش ابوبکر تجھ جیسا پرندہ ہوتا کاش میں گھاس ہوتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر! آج جبرئیل آئے اور اللہ کا سلام تیرے لئے لے کر آئے ہیں اور یہ کہ اللہ نے تم سے پوچھا کہ تو نے سب کچھ میرے راستے میں قربان کر دیا اب ہم سے راضی ہو کہ نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر بہت روئے۔

انتقال کے وقت کفن کی بابت وصیت فرمائی۔ بیٹی عائشہ! یہی لباس جو میں پہنے ہوئے ہوں میرا کفن ہوگا۔ ایک جگہ اس میں زعفران کا نشان ہے اسے دھو دینا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ ابا جان! یہ تو پرانا ہے آپ نے جواب دیا میرے لئے یہی پھٹا پرانا کافی ہے۔

آپ دنیا سے بالکل پاک دامن ہو کر تشریف لے گئے اور اپنے عہدِ خلافت میں کسی قرابتدار کو کوئی عہدہ نہ دیا۔

۷ جمادی الآخر ۱۳ھ ہجری کو حضرت ابوبکرؓ کو بخار آیا پندرہ روز تک بخار برابر جاری رہا، ۲۲ جمادی الثانی بروز دوشنبہ مغرب اور عشا کے درمیان وفات پائی اور اسی شب حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرۂ مبارکہ میں سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برابر دفن کئے گئے، جب آپ کا دم سینہ میں تھا تو عائشہ صدیقہ نے یہ شعر پڑھا۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ

ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃُ اللّٰہِ

(ترجمہ) وہ نورانی صورت جس کے چہرے کی پاکیزگی سے بادل سیراب ہوں اور یتیموں پر شفیق اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے۔

ارشاداتِ نبویہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور والا نے ارشاد فرمایا اگر میں کسی کو خالص دلی دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا مگر ابوبکر میرا بھائی اور ساتھی ہے اور خدا تعالیٰ نے میری ذات کو خالص دوست بنا لیا ہے۔

(۲) حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ حضور نے مجھے ذات السلاسل والے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے۔ فرمایا عائشہ میں نے عرض کیا کہ مردوں میں سے، فرمایا عائشہ کا باپ۔

۳۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ ہم حضور پاک کے زمانے میں ابوبکر سے کسی کو بھی برابری نہیں دیتے تھے ایک روایت میں ہے کہ ہم کہا کرتے تھے کہ رسول پاک زندہ ہیں اور حضور کے بعد تمام امت سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں۔ پھر عثمان ہیں۔

۴۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ رسول پاکؐ نے ارشاد فرمایا۔ ابوبکر کے علاوہ جس شخص کا ہم پر احسان ہوا ہم نے اس کا بدلہ دے دیا۔ ابوبکر کا جو احسان ہم پر ہے اس کا بدلہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ عنایت فرمائے گا۔ کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہ دیا، جتنا ابوبکر کے مال نے۔ اگر میں کسی کو خاص دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا، مگر میری ذات خلیل خدا ہے۔ اس لئے میں دوسرے کو خلیل نہیں بنا سکتا۔

۵۔ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ ابوبکر ہمارے سردار ہیں۔ ہم سب سے افضل اور ہم سب سے زیادہ رسول کو پیارے ہیں۔

۶۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں حضور اقدس نے حضرت ابوبکر سے فرمایا تھا کہ تم غار میں بھی میرے ساتھی تھے اور حوض پہ بھی میرے ساتھ ہوگے۔

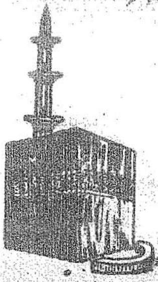
۷۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں ان کی امامت ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو نہ کرنا چاہیئے۔

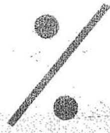
۸۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ایک دن ابوبکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے سرکارِ عالی نے فرمایا تم دوزخ سے خدا کے آزاد کردہ ہو۔ اسی روز سے حضرت ابوبکر کا نام عتیق ہوگیا۔

۹۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول پاک نے فرمایا۔ میرے پاس جبرئیل آئے تھے۔ میرا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی یہ سن کر حضرت ابوبکر نے عرض کیا۔ رسول اللہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا۔ فرمایا ابوبکر! تم تو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگے۔

۱۰۔ حضرت عمر کے سامنے حضرت ابوبکر کا ذکر آیا آپ رونے لگے اور فرمایا میں اس بات کو دل سے پسند کرتا ہوں کہ میرے کل اعمال ابوبکر کے ایک شبانہ روز کے اعمال کے برابر ہو جائیں۔ رات سے میری مراد وہ رات ہے جس میں حضرت ابوبکر حضور گرامی کے ہم رکاب غارِ ثور کی طرف چلے تھے۔ جب غار پر پہنچے تو حضرت

(باقی ۲۹ پر)





حضرت ابراہیم علیہ السلام

عبدالرحمٰن جامی النقشبندی، جلالپور پیروالا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۰ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

واذا ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما ۰ قال ومن ذریتی ۰ قال لاینال عھدی الظلمین ۔

ترجمہ: اور جب امتحان لیا ابراہیم علیہ السلام کا ان کے پروردگار نے چند باتوں میں اپنے احکام میں سے۔ اور وہ ان کو پوری طرح بجالائے۔ اس وقت حق تعالےٰ نے ان سے فرمایا کہ تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کو نبوت دیجئے۔ ارشاد فرمایا کہ میرا وعدہ خلاف ورزی کرنے والوں کو نہیں ملے گا۔ (معارف القرآن)

اس آیت میں حق تعالےٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مختلف امتحانات اور ان میں ان کی کامیابی پھر اس کے انعام وصلہ کا اظہار فرمایا ہے۔ اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ازراہ شفقت اپنی اولاد کے لیے بھی اس انعام کی درخواست کی تو انعام پانے کا ایک ضابطہ ارشاد فرمایا گیا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درخواست کی منظوری متوسط صورت میں دی گئی۔ یہ انعام آپ کی ذریت کو بھی ملے گا۔ مگر جو لوگ آپ کی ذریت میں سے نافرمان اور ظالم ہوں گے وہ یہ انعام نہ پاسکیں گے۔

یہاں چند باتیں غور طلب ہیں:۔

اول یہ کہ امتحان کسی شخص کی قابلیت معلوم کرنے کے لیے لیا جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ علیم وخبیر ہیں کسی شخص کا کوئی حال یا کمال ان پر مخفی نہیں۔ پھر اس امتحان کا مقصد کیا تھا؟

دوسری یہ کہ امتحان کس کس مضمون میں لیا گیا۔

تیسرے یہ کہ کامیابی کس صورت میں اور کس درجہ میں رہی۔

چوتھے یہ کہ انعام کیا دیا گیا، اور اس کی کیا حیثیت ہے۔

پانچواں اس انعام کے لیے جو ضابطہ مقرر کیا گیا ہے اس کی کچھ تفصیل اور توضیح۔

ان پانچوں سوالوں کے جوابات بالتفصیل سنئے:۔

پہلی بات کہ امتحان کا کیا مقصد تھا؟ تو ایک لفظ ربہ نے اس کو حل کر دیا۔ جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس میں ممتحن خود اللہ تعالےٰ ہیں۔

ان کے اسماء حسنیٰ میں سے اس جگہ لفظ رب اختیار کر کے شان ربوبیت کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کو آہستہ آہستہ درجہ تک پہنچانا۔ مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ابتلاء وامتحان کسی جرم کی پاداش میں یا معلوم قابلیت کا علم حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ شان تربیت و ربوبیت اس کا منشا ہوئی۔ ان آزمائشوں کے ذریعہ اپنے خلیل کی تربیت کر کے ان کو درجہ کمال تک پہنچانا مقصود ہے۔ پھر اس جملہ میں مفعول کو مقدم اور فاعل کو مؤخر کر کے فرمایا۔ واذ ابتلی ابراھیم ربہ ۔ اسمٰعیل ابراہیمؑ کی اور بھی جلالت شان کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔

دوسرا سوال کہ امتحان کس مضمون میں لیا گیا۔ اس کے متعلق بکلمٰت آیا ہے۔ کلمات کی تفسیر و تشریح میں حضرات صحابہؓ و تابعین کے مختلف اقوال ہیں۔ کسی نے احکام الٰہیہ میں سے دس چیزیں شمار کیں۔ کسی نے تیس بتلائیں۔ کسی نے اور کم و بیش دوسری چیزیں بیان کیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں اختلافات

کچھ نہیں۔ وہ چیزیں سب کی سب ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مضامین امتحان تھے۔ امام تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر کی یہی رائے ہے۔ یہ مضامین امتحان جن کی کچھ تفصیل آگے بیان ہوگی۔ یونیورسٹی کے امتحان کی طرح فنی مسائل اور ان کی تحقیقات نہیں بلکہ اخلاقی قدروں اور عملی ثابت قدمی کی جانچ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہ عزّ و جلّ میں جس چیز کی قیمت ہے وہ علمی موشگافیاں نہیں بلکہ عمل اور اخلاق برتری ہے۔ اب ان مضامین امتحان میں سے چند اہم چیزیں سنیئے۔

حق تعالے کو منظور تھا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خلافت کا خلعت خاص عطا فرمایا جاوے۔ اس کے لیے ان کو سخت امتحانات سے گزارا گیا۔ پوری قوم یہاں تک اپنا خاندان سب سے سب بت پرستی میں مبتلا تھے۔ سب کے عقائد و رسوم سے مختلف ایک دین حنیف ان کو عطا کیا اور اس کی تبلیغ اور قوم کو اس کی طرف دعوت دینے کا بارِ گراں آپ پر ڈالا گیا۔

آپ نے پیغمبرانہ جرأت و ہمت کے ساتھ بے خوف و خطر قوم کو ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف بلایا۔ بت پرستی کی شرمناک رسم کی خرابیاں مختلف عنوانات سے بیان کیں عملی طور پر بتوں کے خلاف جہاد کیا۔ پوری قوم آمادۂ جنگ و جدال ہوگئی۔ بادشاہ وقت نمرود اور اس کی قوم نے آپ کو زندہ آگ میں ڈال کر جلا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اللہ تعالے کے خلیل نے اپنے مولا کی رضامندی کے لیے ان سب بلاؤں پر راضی ہو کر اپنے آپ کو آگ میں ڈال دینے کے لیے پیش کر دیا۔ اللہ تعالے نے اپنے خلیل کو امتحان میں کامیاب پایا تو آگ کو حکم دیا۔ قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ۔ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور ذریعہ سلامتی بن جا۔

جس وقت یہ حکم خداوندی نارِ نمرودی کے متعلق آیا تو حکم کے الفاظ عام تھے۔ کسی خاص آگ کو متعین کر کے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس لیے پوری دنیا میں جہاں کہیں آگ موجود تھی اس حکم خداوندی کے آتے ہی اپنی اپنی جگہ پر ٹھنڈی ہوگئی اور نارِ نمرود بھی ایک نور بن کر ٹھنڈی ہوگئی۔

قرآن پاک میں لفظ بَرْدًا کے ساتھ سَلٰمًا کا اضافہ اس لیے فرمایا گیا کہ کسی چیز کی ٹھنڈک حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو وہ بھی برف کی طرح تکلیف دہ بلکہ مہلک ہو جاتی ہے۔ اگر لفظ سَلٰمًا کا ارشاد نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ آگ برف کی طرح ٹھنڈی ہو جاتی جو بجائے خود ایک عذاب بن جاتی۔ جیسے جہنم میں ایک عذاب سردی کا بھی ہے۔

اس امتحان سے فارغ ہو کر دوسرا امتحان یہ لیا گیا کہ اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر ملک شام کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رضائے خداوندی کی تڑپ میں قوم و وطن کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ اور مع اہل و عیال ہجرت کر کے شام میں چلے آئے ؎

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عیال و خاناں را چہ کند

اب قوم و وطن کو چھوڑ کر ملک شام میں قیام کیا ہی تھا کہ یہ حکم ملا کہ بی بی ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیلؑ کو ساتھ لے کر یہاں سے بھی کوچ کریں۔ (ابن کثیر)

جبریل امین تشریف لائے اور دونوں کو ساتھ لے کر چلے۔ راستے میں جہاں کوئی سر سبز جگہ آتی تو حضرت خلیل اللہ فرماتے کہ ہمیں یہاں ٹھہرا دیا جائے۔ جبریل فرماتے کہ یہاں کا حکم نہیں منزل آگے ہے۔ جب وہ چٹیل میدان اور گرم ریگستان آ جاتا ہے جہاں آگے کسی وقت بیت اللہ کی تعمیر اور شہر مکّہ کی بستی بسانا مقدر تھی۔ اس ریگستان میں آپ کو اتار دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالے کے خلیل اپنے پروردگار کی محبت میں سرور و مگن اسی چٹیل میدان اور بے آب و گیاہ جنگل میں بی بی کو لے کر ٹھہر جاتے ہیں لیکن یہ امتحان اس پر ختم نہیں ہوتا بلکہ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ملتا ہے کہ بی بی کو یہیں چھوڑ دیں اور خود ملک شام کو واپس ہو جائیں۔

اللہ تعالے کا خلیل حکم پاتے ہی تعمیل کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور شام کی طرف چلنے لگتا ہے اتنی دیر کرنا بھی گوارا نہیں کرتا کہ بی بی سے یہ کہہ دے کہ مجھے خدا تعالے کا حکم ملا ہے میں اس لیے جا رہا ہوں۔

حضرت ہاجرہ آپ کو جاتے ہوئے پکارتی ہیں یہ جواب نہیں دیتے۔ پھر پکارتی ہیں کہ اس لق و دق میدان میں مجھے

چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ جواب نہیں دیتے۔ چونکہ خلیل اللہ (علیہ السلام) کی بیوی تھیں۔ سمجھ گئیں اور کہا کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ملا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! حضرت ہاجرہؓ کو بھی جب حکم خداوندی کا علم ہو گیا تو نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ جائیے جس مالک نے آپ کو چلے جانے کا حکم دیا ہے وہ ہمیں بھی ضائع نہ کرے گا۔ حضرت ہاجرہؓ اپنے شیر خوار بچے کے ہمراہ اس لق دق میدان میں وقت گزارنے لگتی ہیں۔ پیاس کی شدت پانی کی تلاش پر مجبور کرتی ہے۔ بچے کو کھلے میدان میں چھوڑ کر صفا مروہ کی پہاڑیوں پر بار بار چڑھتی ہیں، اترتی ہیں۔ کہ کہیں پانی کے آثار نظر آ جائیں یا کوئی انسان نظر آ جائے جس سے امداد حاصل کریں۔ سات مرتبہ کی دوڑ دھوپ کے بعد مایوس ہو کر بچے کے پاس لوٹ آتی ہیں۔ صفا مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑنا اسی کی یادگار کے طور پر قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے احکام حج میں ضروری قرار دیا گیا۔

حضرت ہاجرہ اپنی دوڑ دھوپ ختم کرنے اور مایوس ہونے کے بعد جب بچے کے پاس آ جاتی ہیں تو رحمت خداوندی متوجہ ہوتی ہے۔ جبریل امینؑ آتے ہیں اور اس خشک زمین سے ایک پانی کا چشمہ نکال دیتے ہیں جس کا نام آج زمزم ہے۔ پانی کو دیکھ کر اول پانی کے پاس جانور آ جاتے ہیں پھر جانوروں کو دیکھ کر انسان پہنچتے ہیں۔ مکہ کی آبادی کا سامان ہو جاتا ہے۔ ضروریات زندگی کی کچھ آسانی ہو جاتی ہے۔ نومولود بچہ جن کو آج حضرت اسمٰعیلؑ کہا جاتا ہے۔ نشو و نما پاتے ہیں اور کام کاج کے قابل ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ گاہ گاہ تشریف لاتے ہیں اور بی بی و بچے کو دیکھ جاتے ہیں۔ اس وقت پھر اللہ تعالیٰ اپنے خلیل کا تیسرا امتحان لیتے ہیں۔ یہ بچہ اس بے کسی اور بے سروسامانی میں پروان چڑھا اور بظاہر باپ کی شفقت و تربیت سے بھی محروم رہا۔ اب والد صاحب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے۔ کہ اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرو۔ ارشاد ربانی ہے۔ فلما بلغ معه السعي قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ما ذا تری قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین ہ

جب بچہ اس قابل ہو گیا کہ باپ کے ساتھ کام کاج میں کچھ مدد دے سکے تو ابراہیمؑ نے اس سے کہا۔ میں خواب میں یہ حکم خداوندی پاتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر دوں تو بتلا تیرا کیا خیال ہے۔ فرزند نے عرض کیا کہ ابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ آپ بھی مجھے اس کی تعمیل میں ثابت قدم پائیں گے۔ اس کے بعد کا واقعہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ صاحبزادے کو ذبح کرنے کے لیے منیٰ کے جنگل میں لے گئے اور اپنی طرف سے حکم ربانی کو پورا کر دیا مگر وہاں مقصد بچہ کو ذبح کرانا نہیں بلکہ شفیق باپ کا امتحان کرنا تھا۔ جس میں وہ پورے اُترے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے اس کا فدیہ نازل فرما کر اس کی قربانی کا حکم دے دیا۔ اور یہ سنت ابراہیمی آنے والی دنیا کے لیے دائمی سنت بن گئی۔ یہ کڑے اور سخت امتحان تھے جن میں حضرت ابراہیمؑ کو گزارا گیا۔

اس کے ساتھ ہی دوسرے بہت سے اعمال و احکام کی پابندیاں آپ پر عائد کی گئیں۔ جن میں سے دس خصائل فطرت کے ساتھ موسوم ہیں جن کا تعلق بدن کی صفائی ستھرائی اور پاکی سے ہے۔ اور یہ خصائل آنے والی تمام امتوں کے لیے مستقل احکام بن گئے۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان تمام امور کے تاکیدی احکام دیے اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ پورا اسلام تیس حصوں میں دائر ہے جس میں سے دس سورۃ برأت میں مذکور ہیں اور دس سورۃ احزاب میں اور دس سورہ قد افلح المؤمنون میں۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان تمام چیزوں کا پورا حق ادا کیا اور ان سب امتحانات میں کامیاب ہوئے۔

مسلمان کی دس مخصوص علامات و صفات کا اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المؤمنین۔ وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بُری باتوں

سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے اور ایسے مومنین کو آپ خوشخبری سنا دیجئے۔

قد افلح المومنون کے دس یہ ہیں: (ترجمہ) یقیناً ان مسلمانوں نے فتح پائی جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں اور جو اپنے آپ کو پاک کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی لونڈیوں سے۔ کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ کے طلبگار ہوں۔ ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اور سورۃ احزاب کے دس یہ ہیں: (ترجمہ) بے شک اسلام کا کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور بکثرت اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لیے جتنی علمی اخلاقی صفات مطلوب ہیں وہ ان سورتوں کی چند آیات میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اور یہی صفات وہ کلمات ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا گیا اور آیت واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات میں انہی صفات کی طرف اشارہ ہے۔

ان آیات کے متعلق قابل غور سوالات میں سے دو سوالوں کا جواب یہاں تک ہو گیا۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ اس امتحان میں حضرت خلیلؑ کی کامیابی کا درجہ اور مقام کیا رہا۔ تو وہ خود قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں ان کو سند کامیابی عطا فرمائی۔ ارشاد ہوا وابراھیم الذی وفّیٰ۔ وہ ابراہیمؑ جس نے پورا کر دیا اس کا حال یہ ہے کہ پھر امتحان کی مکمل اور سو فیصدی کامیابی کا اعلان فرما دیا۔

چوتھا سوال کہ اس کامیابی پر کیا انعام ملا۔ اس کا ذکر خود اس آیت میں آ چکا ہے۔ جو آیت تلاوت کی گئی ہے۔ یعنی قال انی جاعلک للناس اماماً ہ یعنی امتحان کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو لوگوں کا پیشوا اور امام بنانے والا ہوں۔ اس سے ایک طرف یہ معلوم ہوا کہ حضرت خلیل اللہؑ کو اس کامیابی کے صلہ میں امامتِ خلق اور پیشوائی کا انعام دیا گیا۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوا کہ خلق خدا تعالیٰ کے امام اور پیشوا و مقتداء کے لیے جو امتحان درکار ہے وہ دنیا کے مدارس اور یونیورسٹیوں جیسا امتحان نہیں جس میں چند مسائل کی فنی تعلیم اور علمی موشگافی کو کامیابی کا اعلیٰ درجہ سمجھا جاتا ہے اس عہدے کے حاصل کرنے کے لیے ان تیس اخلاقی اور عملی صفات کا کامل ہونا شرط ہے۔ جن کا ذکر ابھی بحوالہ آیت آ چکا ہے۔

قرآن کریم نے دوسری جگہ بھی یہی مضمون اسی طرح بیان کیا ہے وجعلنٰھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بایٰتنا یوقنون ہ یعنی ہم نے ان کو امام اور پیشوا بنا دیا کہ وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کریں جب انہوں نے اپنے نفس کو خلاف شرع سے روکا اور ہماری آیتوں پر یقین کیا۔ اس آیت میں امامت اور پیشوائی کے لیے ان تیس صفات کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے یعنی صبر و یقین، یقین علمی اعتقادی کمال اور صبر عملی و اخلاقی کمال ہے اور وہ تیس صفات جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے سب کی سب انہی دو صفتوں پر دائر ہیں۔

پانچواں سوال یہ تھا کہ آئندہ آنے والی نسلوں کو منصب امامت اور پیشوائی دینے کے لیے جو یہ ضابطہ ارشاد ہوا ہے کہ فاسق اور ظالم لوگوں کو یہ منصب ملے گا اس کا کیا مطلب ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ امامت اور پیشوائی ایک حیثیت سے اللہ جل شانہ کی خلافت ہے یہ کسی ایسے شخص کو نہیں دی جا سکتی جو اس کا باغی اور نافرمان ہو۔ اس لیے مسلمانوں پر

(باقی ۲۰ پر)

مولوی محمد اکرم، جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد
لاہور

شکرِ نعمت نعمت افزوں کند

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد
فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ صدق اللہ العظیم

کسی چیز کی عظمت کا پتہ تب ہی چل سکتا ہے جب کہ اس چیز کی ذات سے واقفیت ہو۔ اس کائنات میں جو کچھ بھی انسان کو دیا گیا ہے، یہ سب انعام خداوندی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ اِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاِنَّكُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ۔ یعنی یہ زمین و آسمان، حجر و شجر، کوہ و بیابان، میدان و صحرا۔ غرض ہر چیز تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اور تمہیں صرف آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اور اگر غور کیا جائے تو انسان کا اپنا وجود بھی اس کے لیے نعمت ہے۔ اس کا ہر ہر جوڑ اور ہر ہر عضو نعمت ہے، جس کی قدر و قیمت اس کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک قانون ربّانی ہے کہ اگر تم کسی نعمت کی قدر و عظمت اور اس کا شکریہ ادا کرو گے۔ تو رب العزت تمہیں مزید نعمتوں سے نوازے گا۔ جیسا کہ آیت بالا سے ظاہر ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تم احسان مانو گے اور شکریہ ادا کرو گے تو اور بھی دوں گا یعنی ان نعمتوں میں اضافہ کروں گا، اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جس پر جو احسان کیا جائے اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے محسن کا اپنے قول و فعل اور دل سے شکریہ ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ جو انسان کا محسنِ حقیقی ہے اپنا شکر ادا کرنے سے نعمتوں میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے اعلان کرتا ہے کہ پچھلی نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے تمہارا نام شکر گذاروں میں لکھا جائے گا۔ لیکن اسی پر بس نہیں ایسا کرنے والوں کو اور نعمتیں بھی دی جائیں گی۔ اور جو ناشکری کریں گے، صرف یہی نہیں کہ ان کو مزید نعمتوں سے محروم کر دیا جائے گا بلکہ اس کو سخت عذاب بھی ہوگا۔ اندازہ کیجیے کہ نعمت کی قدر و عظمت کا کتنا وعدہ ہے۔ ایک تو نعمت میں اضافہ، اور دوسرے اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول جو ایک مسلمان کے لیے عظیم ترین نعمت ہے اور نعمت کی عظمت اور قدر نہ کرنے کی وجہ سے پہلی نعمت بھی چھن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بھی ہوتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کے شکر کا محتاج ہے۔ وہ کسی کے شکریے کا محتاج نہیں وہ تمام خوبیوں کا مالک ہے۔ ان باتوں میں اللہ تعالےٰ کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ شکر بجا لانے میں اور نعمت کی قدر و عظمت سے اس کی تابعداری اور فرماں برداری سے انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ وہ اس شکر گزاری اور قدر و عظمت کی وجہ سے کہیں سے کہیں پہنچ سکتا ہے۔ دُنیا و آخرت کی نعمتوں

سے مالا مال ہو سکتا ہے۔

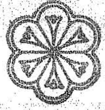
اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے کہ اگر سب انسان مل کر ان کو شمار کرنا چاہیں تو یہ ان کے بس کی بات نہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا یعنی اللہ کی نعمتیں انسان پر اس قدر ہیں کہ اگر سب انسان مل کر ان کو شمار کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکیں گے اور تو در کنار۔ انسان کا اپنا وجود خود ایک عالم اصغر ہے اُس کی آنکھ، ناک، کان اور ہاتھ، پاؤں اور بدن کے ہر جوڑ بلکہ ہر رگ و ریشہ میں رب العزت کی غیر متناہی اور بے شمار نعمتیں پوشیدہ ہیں۔ جو ایک انسانی طاقت کے شمار سے باہر ہیں۔ علاوہ ازیں یہ عجیب و غریب فیکٹریاں اور کارخانے جو دن رات کام میں مشغول ہیں۔ پھر آسمان و زمین، سمندر و پہاڑ نیز ان کے اندر پوشیدہ ذخائر و مخلوقات ایسی نعمتیں ہیں کہ جدید محققین نے عمریں صرف کر دی ہیں۔ لیکن ان کی تہہ تک کیا پہنچتے بلکہ ان کا شمار تک بھی نہیں کر سکتے۔ پھر نعمتیں صرف وہی نہیں جو عام طور مثبت انداز میں سمجھی جاتی ہیں بلکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو ہر مرض، تکلیف اور رنج و مصیبت سے محفوظ رہنا بھی مستقل نعمت ہے۔ اب اگر ایک شخص حالت صحت و تندرستی میں اس نعمت کی قدر و عظمت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اور صحت عطا فرمائیں گے اور مصائب سے محفوظ رکھیں گے۔

غرض مسلمان ہر چیز کو اللہ رب العزت کی طرف سے عطیہ اور دَین سمجھتا ہے اور اس کو انعام خداوندی سمجھ کر اس کی قدر و عظمت بھی کرتا ہے غیر مسلم رب العزت کو حقیقی محسن اور خالق و مالک خیال نہ کرتے ہوئے ہر چیز کو اپنی کوشش کا نتیجہ تصور کرتا ہے۔ بعض اشیاء کو دوسروں کی مہربانی سمجھتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام یہ سکھاتا ہے کہ تمہاری کوشش کچھ بھی نہیں۔ فقط سوال کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک آدمی صبح سے شام تک روزی کمانے کے لیے بڑی محنت کرتا ہے۔ دوسرا کسی کی خدمت کرتا ہے۔ کوئی اپنی دماغی قوتیں کسی نئی چیز کی ایجاد میں لگاتا ہے۔ غرض کوئی کچھ کرتا ہے اور کوئی کچھ یہ سب درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کر رہے ہیں۔ کوئی کسی طریقے سے دستِ سوال پھیلاتا ہے اور کوئی کسی طریقے سے۔ غرض دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے وہی ذات جو یہ نعمتیں دینے والی ہے خود فرماتی ہے کہ اگر تم میری اِن نعمتوں پر شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید نعمتیں عطا کروں گا جن کے شمار سے نہ صرف قاصر بلکہ اس کی طاقت سے باہر ہے۔

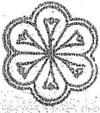
بہر حال اللہ تعالیٰ کی ان گنت اور بے شمار نعمتیں ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین بنائے۔ تمہارے رزق کے اسباب مہیا فرمائے۔ آسمان سے بارش برسائی۔ زمین نے اس کو پیا اور اپنے اندر سے بحکم خداوندی طرح طرح کے میوے اور پھل اُگائے۔ اسی نے انسان کو قوت عقل و ادراک دی۔ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور جہاز چلائے۔ غرض جب سے انسان اس زمین پر بستا ہے۔ اُسے اس کی راحت کے سامان برابر ملتے رہے ہیں۔ بارش، دھوپ، چاندنی، رات، دن، سب انسانی خدمت میں مصروف ہیں۔ قرآن حکیم جابجا انسان کو ان نعمتوں کی طرف توجہ دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ ان سے فائدہ اُٹھاؤ اور ان کے پیدا کرنے والے کو پہچانو اور اسی کو خالق کائنات اور رب العالمین مانو۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو تمہاری عقل تمہیں لے ڈوبے گی۔ ان تمام چیزوں کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو جو چیز بھی ملتی ہے وہ انعام خداوندی ہے اور اصول ربانی یہ ہے کہ جب بھی انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرتا اور ان کی قدر و عظمت کرتا ہے تو رب العزت ان میں اور اضافہ فرماتے ہیں۔ ہمیں اللہ کی ہر نعمت کی تعظیم کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بُرے اعمال سے بچائے، آمین یا رب العالمین ●

ثمرات الاوراق

حضرت مولانا محمد اجمل مدظلہ



انتخابِ لاجواب



تاتاری کیسے مسلمان ہوئے؟

تاریخ کا اہم سوال یہ ہے کہ تاتاری اتنی بڑی تعداد میں کیسے مسلمان ہوئے۔ تاتاری ایک بڑی جنگجو قوم گذری ہے جس نے کہ ساری دنیا کو ایک مرتبہ زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔ وہ خدا کی ایک تلوار تھے، جو مشرق سے لے کر مغرب تک چمکے، آندھی کی طرح دنیا میں پھیل گئے۔ ان تاتاریوں کو کس نے مسلمان کیا، بھلا ان تاتاریوں کو جھکانے والی کونسی طاقت ہو سکتی تھی، جس کی تلوار کے سامنے تمام تلواریں کند ہو گئیں جس تلوار کے سامنے بادشاہوں کے تاج قدموں پر گر گئے، اس تلوار کو نیام میں لانے والی طاقت کونسی تھی۔ سب سے بڑی طاقت تو دنیا کی وہ تھی۔ اس سے بڑی طاقت کونسی تھی؟ مؤرخوں کے سامنے یہ ایک سوال ہے۔ تاریخ نے اس کا جواب دیا ہے۔ اس کے متعلق ایک واقعہ ہے، جس سے آپ سمجھیں گے کہ ایمان کی دولت کیسی ہے؟ ایک تاتاری شہزادہ، ولی عہد سلطنت جو ایک بہت بڑی تاتاری مملکت کا حکمران اور بادشاہ بننے والا تھا۔ شکار کو جا رہا تھا۔ اس نے انتظام کیا تھا کہ کوئی مسلمان راستے (اس لئے کہ اس کی پوری قوم مسلمانوں کو خاص طور پر ایرانیوں کو ذلیل سمجھتی تھی) بادشاہ کی سواری کے سامنے نہ آنے پائے۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک درویش جن کا نام شیخ جمال الدین تھا، کہیں جا رہے تھے۔ نادانستہ طور پر وہ شہزادے کی شکارگاہ کے اندر آ گئے، غلاموں نے ان کی مشکیں باندھیں اور ان کو حاضر کیا۔ شہزادے نے دیکھا۔ شہزادے کی پیشانی پر بیسیوں بل پڑ گئے۔ اس لئے کہ مشرک قومیں بڑی شگون پرست ہوتی ہیں اور کہا کہ یہ فقیر اور بے حال مسافر جس کے کپڑوں میں پچاس پیوند ہیں کہاں سے آ گیا، میری منزل برباد ہو گئی، میرا شکار خراب ہوا۔ شکاریوں کی بہت سی اصطلاحیں ہوتی ہیں اور ان کا عرف ہوتا ہے کہ اگر یہ چیز سامنے آ جائے تو ان کا شکار نہیں ہوتا۔ وہ چیز سامنے آ جائے تو شکار نہیں ہوتا۔ بلایا، حکم دیا لاؤ میرے سامنے جب وہ آئے تو کہا کہ کیا تم کو خبر نہیں تھی۔ کہ یہ میری شکارگاہ ہے کیا تم کو خبر نہیں تھی کہ آج میں شکار کے لئے نکلا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے کوئی خبر نہ تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ شکارگاہ ہے تو میں یہاں نہ آتا۔ شہزادے نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو، کون ہو؟ کہا کہ میں مسلمان ہوں، ایران کا رہنے والا ہوں اور اس نے کہا اچھا بتاؤ کہ میرا یہ کتا بہتر ہے کہ تم بہتر ہو؟ وہ کہہ سکتے تھے۔ کہ انسان اور کتے کا کیا مقابلہ؟ میں اشرف المخلوقات ہوں میں انسان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دنیا میں باعزت بنایا ہے۔ بہت سے جوابات ہو سکتے تھے۔ لیکن اللہ نے ان کے دل میں ایک جواب ڈالا۔ بس یہی تاتاری قوم کے قوم ہونے کا ذریعہ بنا۔ شہزادے کی آنکھوں سے انگارے برس رہے تھے۔ اور بس جلاد کو حکم ہی ہونے والا تھا۔ کہ گردن اڑا دی جائے۔ کہ کہا بتاؤ تم بہتر ہو یا یہ کتا؟ نہ غصہ آیا نہ جھنجھلاہٹ ہوئی نہ دماغی توازن کھویا۔ انہوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ کہا، کہ اگر ایمان پر خاتمہ ہوا تو میں اچھا ورنہ کتا اچھا۔ پورے اطمینان کے ساتھ اس اللہ کے بندے نے جواب دیا۔ اس نے کہا ایمان کسے کہتے ہیں؟ گویا ایمان وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ایک کتے سے بہتر ہو جاتا ہے وہ تو سمجھتا تھا۔ کہ مسلمان کتے سے کسی حال میں بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔ انہوں نے ثابت کیا۔ اگر مسلمان کے اندر حقیقتِ اسلام پائی جاتی ہے تو پھر وہ کتا کیا معنیٰ۔ بادشاہوں سے بھی اور ملائکہ سے بھی افضل ہے انہوں نے ایمان کی تشریح کی۔ ایمان کے معنیٰ ہیں، اپنے مالک کو پہچاننا، اپنے مالک سے ڈرنا، اپنے مالک سے امید رکھنا اور اپنے مالک ہی کو یاد کرنا اور اپنے مالک ہی کی عبادت کرنا۔ اس کا نام ایمان ہے۔ شہزادہ ایک بیخودی کے عالم میں مبہوت کھڑا رہ گیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کس طرح کا انسان ہے۔ بجلی کی طرح ان کا یہ جواب اس کے دماغ پر گرا۔ اور اس کے دماغ اور دل کو ہلا دیا۔ اس جواب کی اس کو امید نہ تھی۔ اس نے کہا اچھا اس وقت تو میں جا رہا ہوں۔ لیکن اگر آپ کبھی یہ سنیں کہ تغلق تیمور تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور اس کا زمانہ شروع ہوگیا تو میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی زیارت سے ضرور مشرف فرمادیں۔ لہجہ بدل گیا۔ طرز بدل گیا۔ اس کا سارا طنطنہ اور اس کا سارا غرور جاتا رہا۔ یہ ہے مردِ حق، مردِ درویش، مردِ عارف کی آواز کا اثر، صاحبِ ایمان کا اثر۔ اس نے کہا جب آپ کو میری تخت نشینی کی اطلاع ملے تو میری آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ مجھے اپنی زیارت سے مشرف فرمادیں۔ وہ انتظار میں رہے کہ کب وہ مبارک گھڑی آتی ہے کہ تغلق تیمور تاج و تخت کا وارث ہوتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دولت ان کے لئے نہیں بلکہ ان کے صاحبزادے کے مقدر میں فرمائی تھی۔ بوڑھے آدمی تھے۔ ان کا وقت آگیا اور ان کا یہ ارمان پورا نہ ہوسکا۔ انتقال کے وقت انہوں نے اپنے صاحبزادے کو وصیت کی کہ بیٹا میرے دل میں ایک ارمان تھا۔ خدا کو منظور نہیں کہ میرا وہ ارمان پورا ہو۔ شاید اللہ نے تمہارے لئے یہ سعادت مقدر کی ہو۔ دیکھو جس وقت یہ سنو کہ تغلق تیمور تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس جانا اور میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ آپ کو کچھ یاد ہے کہ آپ نے شیخ جمال الدین سے کیا کہا تھا۔ آپ نے شیخ جمال الدین سے وعدہ لیا تھا۔ ملنے کا وہ تو نہیں آسکے، ان کو خدا نے بلا لیا۔ لیکن ان کا بیٹا حاضر ہوا ہے۔ آخر وہ وقت آگیا۔ تمام ملک میں یہ خبر گرم ہوئی کہ تغلق تیمور اپنے باپ کا وارث ہوا اور تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ شیخ جمال الدین کے فرزند پہنچے، ملنے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں کسی نے ان کو جانے نہیں دیا۔ بادشاہوں کے پاس، درویشوں کو، گداگروں کو کون جانے دیتا ہے؟ ہٹو، بچو کے اس ریلے میں بچارے وہاں نہ پہنچ سکے۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ بادشاہ سے کس طرح ملیں؟ اور کس طرح اپنے باپ کا پیغام پہنچائیں۔ اس اللہ کے بندے نے قصر شاہی کے پاس مصلیٰ ڈال دیا اور پانچوں وقت اذان دینے لگے اور وہیں مصلے پر بیٹھ گئے اور دعا کرتے رہے۔ ایک دن صبح کے سناٹے میں شہزادے کے کان میں یہ آواز پڑی۔ اس نے کہا یہ کیسی آواز ہے میں نے کبھی یہ آواز نہیں سنی، کون شخص ہے کہاں سے آیا ہے

لوگوں نے کہا، ایک دیوانہ سا آدمی ہے۔ وہ یہ صدا لگایا کرتا ہے معلوم نہیں کیا کہتا ہے۔ کہا بلاؤ، بلائے گئے۔ کہا تم کیا آواز لگاتے ہو، تمہیں کیسے جرأت ہوئی۔ کہ میرے خاص محل کے نیچے تم آواز لگاؤ اور شور کرو۔ انہوں نے کہا کہ میں شیخ جمال الدین کا بیٹا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ ایک مرتبہ آپ شکار کے لئے نکلے تھے۔ شیخ جمال الدین راستے میں ملے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا تھا۔ کہ کتا بہتر ہے کہ تم بہتر ہو؟ انہوں نے کہا تھا۔ ایمان پر خاتمہ ہوا تو میں بہتر ہوں اور اگر خدانخواستہ ایمان کے بغیر اس دنیا سے چلا گیا، تو کتا بہتر ہے۔ میں اس بات کی گواہی دینے آیا ہوں کہ ان کا ایمان پر خاتمہ ہوا اور وہ اللہ کے ایک باعزت، اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے کی حیثیت سے اس دنیا سے تشریف لے گئے، اور سلام و پیغام میرے حوالے کر گئے کہ میں (آپ کو) ان کا سلام اور ان کا پیغام پہنچاؤں۔ اس نے کہا کہ تم ٹھہرو، میں تمہیں پھر بلاؤں گا۔ ان کو مہمان خانے میں ٹھہرایا اور وزیر اعظم کو بلایا اور کہا کہ بھائی ایک بات میرے دل میں بہت دنوں سے ہے۔ لیکن میں وقت کے انتظار میں تھا کہ اس کے لئے کوئی مناسب وقت ملے۔ اب وہ وقت آگیا ہے۔ میں تم کو بتلانا چاہتا ہوں کہ میرا ارادہ اسلام لانے کا ہو رہا ہے۔ وزیر اعظم نے کہا جہاں پناہ میں تو کئی برس سے مسلمان ہوں۔ میں ایران جایا کرتا تھا۔ وہاں ایک درویش سے ملاقات ہوئی۔ ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے لگا۔ میں مسلمان ہوگیا تھا۔ لیکن آپ کے ڈر سے ظاہر نہیں کرتا تھا۔ آج جب آپ نے اتنی بات کہی تو مجھے اتنی ہمت ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ الحمد اللہ۔ آؤ ہم تم کلمہ پڑھیں۔ اور مسلمان ہوجائیں۔ اور اس کے بعد ایک ایک کر کے اپنے وزیروں کو اور تمام ارکان سلطنت کو بلایا اور سب کے سب مسلمان ہوئے اور چند دن کی مدت کے اندر اندر لاکھوں کی قوم مسلمان ہوگئی۔

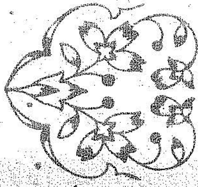
آپ کہیں گے کہ شاید کسی خوش اعتقاد مصنف نے، کسی صوفی مسلمان نے یہ واقعہ لکھا ہو۔ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ پروفیسر آرنلڈ نے جو علی گڑھ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے۔ اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کی تاریخ پر مفصل کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام پریچنگ آف اسلام ہے۔ اس میں انہوں نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔

دیانت کا صلہ

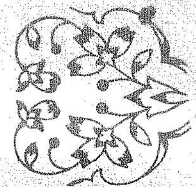
(۲) حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی ایک خادمہ حالت نزع

(باقی ۲۲ پر)

محمد شفیع عمر الدین (میرپور خاص سندھ)



حسنِ خلق کی اہمیت



(ذیل کی سب احادیث حضرت عبدالرؤف مناوی کی کتاب "کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق" سے لی گئی ہیں)

۱- ان من احبکم الی اللہ احسنکم اخلاقا۔
ترجمہ: اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ وہ شخص پیارا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں۔

۲- ان اکمل المومنین ایمانا احسنھم اخلاقا۔
ترجمہ: مومنوں میں سے کامل ایمان والا وہ مومن ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں۔

۳- لیس المؤمن شئ احسن من حسن الخلق۔
ترجمہ: مومن کے لیے حسن خلق سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔

۴- من خیارکم احسنکم اخلاقا۔
ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس کے اخلاق بہترین ہوں۔

۵- ما من شئ یوضع فی المیزان اثقل من خلق حسن۔
ترجمہ: میزان اعمال میں خوش خلقی سے زیادہ وزنی اور کوئی چیز نہ رکھی جائے گی۔

۶- لایدخل الجنۃ احد الا بحسن الخلق۔
ترجمہ: حسن خلق کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہو گا۔

۷- علیکم بحسن الخلق فانہ فی الجنۃ لامحالۃ
ترجمہ: تم پر حسن خلق لازم ہے۔ لامحالہ خوش خلقی تم کو جنت میں لے جائے گی۔

۸- من سعادۃ المرء حسن الخلق۔
ترجمہ: آدمی کی سعادت یہ ہے کہ اس کے اخلاق اچھے ہوں۔

۹- من کمال الایمان حسن الخلق۔
ترجمہ: ایمان کے کمال میں یہ بات ہے کہ اخلاق اچھے ہوں۔

۱۰- ما جعل اللہ ولیا الا علی السخاء وحسن الخلق
ترجمہ) اللہ تعالےٰ نے ہر ولی میں سخاوت اور حسن خلق کی خصلتیں رکھی ہیں۔

۱۱- المؤمن لین تخالہ من اللین احمق۔
ترجمہ: مومن نرم دل ہوتا ہے تو اسے نرم دلی کے باعث احمق سمجھے گا۔

۱۲- المومن حلو یحب الحلاوۃ
ترجمہ: مومن شیریں ہے اسے مٹھاس پسند ہے۔
اللہ تعالےٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ : اداریہ

کہا کہ حقوق العباد سب سے بڑی ذمہ داری ہے"۔

موصوف کے یہ خیالات اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں اور ان پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ ان کی طرف سے علماء کے کردار کو اس طرح سراہنا بڑے معرکہ کی بات ہے اور ہمیں امید ہے کہ وہ اپنے مختصر اور عبوری دور میں قوم کو باکردار اور عملی بنانے میں مؤثر کردار ادا کریں گے۔

ہم آج کی ایک خبر کے ضمن میں جس میں کہا گیا ہے کہ لاہور میں پنجاب اسمبلی کے ممبران اپنی سرکاری رہائش گاہ سے جاتے جاتے بستروں کی چادریں، کمروں کے پردے، غسل خانوں کی بالٹیاں، آئینے، لوٹے اور تالے تک اپنے ہمراہ لے گئے۔ یہ عرض کریں گے کہ بظاہر یہ چھوٹی سی خبر ہے۔ لیکن اپنے پس منظر میں اتنی تاریکیاں لیے ہوئے ہے کہ الامان!

گزشتہ حکومت نے اور اس کے بے شک و تمام اہلکاروں نے ملک کے وسائل کو جس طرح لوٹا، چوریاں کیں، دھاندلیاں اور بدمعاشیاں کیں وہ ایک المیہ سے کم نہیں۔ اس کی وسیع پیمانے پر تحقیق از بس ضروری ہے۔ اور اگر جنرل موصوف مختصر دورِ حکومت میں ملک و قوم کا سرمایہ اگلوانے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ملک و قوم پر بہت بڑا احسان ہوگا۔

سابقہ حکومت کی غلط بخششوں کا سلسلہ اتنا طویل ہے کہ اگر ان کا حساب چکایا گیا تو معاشی طور پر تباہ حال ملک کی قسمت سنور جائے گی۔ اسی طرح اسلحہ کے معاملہ میں جس دھاندلی کا ارتکاب ہوا اس کی وسیع پیمانے پر چھان پھٹک وقت کی از بس ضرورت ہے کہ غلط مقاصد اور غلط ارادوں کی تکمیل کی غرض سے تقسیم ہونے والا ایک کارتوس بھی غلط ہاتھوں میں نہ پہنچنے پائے۔

اور آخر میں کراچی کے حالیہ تباہ کن سیلاب کے معاملہ میں اعلیٰ سطح پر تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ خلقِ خدا یہ کہہ رہی ہے کہ یہ سب مصنوعی تھا اور اس کا مقصد ۷ مارچ کے انتخابی فیصلہ کی اہل کراچی کو سزا دینا تھی۔

اگر ایسا ہے تو یہ سنگدلی کی بدترین مثال ہوگی اور اس قسم کے لوگوں کو معاف کرنا مجرمانہ غفلت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرما کر سپہ سالار کو ملی طور سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق بخشے!

علم الدین[illegible]

بقیہ : انتخابات لاجواب

میں نادعلی نے عبادت وادعلی پڑھنے لگی۔ حاضرین کو تعجب ہوا کیونکہ وہ بالکل جاہلہ تھی اور نماز کی بھی پابند نہ تھی۔ اس سے آیت پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر بتایا کہ مجھ کو یہ دو آدمی پڑھاتے ہیں۔ شاہ صاحب کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے فرمایا، اس سے کہو ان پڑھانے والوں سے جو واقع میں فرشتے ہیں۔ دریافت کرے کہ کس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت عطا فرمائی تو خادمہ نے جواب دیا کہ یہ حضرات کہہ رہے ہیں تو ایک دن موسم سرما میں گھی خریدنے کے لئے بازار گئی تھی، جب تو نے گھی کو آگ پر گرم کیا تو اس میں ایک روپیہ نکلا، اول تو نے چاہا کہ روپیہ چپکے سے اپنے پاس رکھ لے اور اپنے کام میں لائے پھر یہ خیال کر کے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ تو نے وہ روپیہ دکاندار کو واپس کر دیا۔ تیری یہ دیانت اور امانت اللہ تعالیٰ کو پسند آئی! اسی وجہ سے ہم تجھ کو دنیا میں جنت کی بشارت دینے آئے ہیں۔ (شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کی تعلیمات صفحہ ۳۵)

شراب کی حقیقت اور مضرت

ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی

شراب تاریخ کی روشنی میں

شراب کا استعمال از منہ قدیم سے بنی نوع انسان کرتا چلا آ رہا ہے۔ اگر ہم تاریخ عالم کی ثقافت و تہذیب کا مطالعہ کریں تو واضح ہو جائے گا کہ ابتدائی ادوار میں رومیوں کے ہاں شراب کا عام رواج تھا اور خلافِ قانون نہ سمجھا جاتا تھا۔ شہنشاہ ہانوری ایس اور چوتھی صدی عیسوی میں آر کے ٹی۔ ایس شہنشاہ ویلینٹین کے دربار میں میخواری کا عام رواج تھا۔ اہلِ سپارٹا اور اتھینکنیں کے ہاں شراب کی کشید ہوتی تھی۔ ہسپانیہ، صقلیہ، فرانس میں انگور کی شراب کی بھٹیاں گھر گھر تھیں۔ حتیٰ کہ برآمد بھی کرتے تھے۔ مسلمانوں کے ورود سے قبل ہندوستان میں جب کہ مہاراجہ بلہرا کی وسیع حکومت تھی۔ سوامی دیانند اپنی تصنیف "تاریخ ستیارتھ پرکاش" میں لکھتا ہے کہ ہندوستان میں مے خواری عام تھی۔ مزید لکھتا ہے کہ قمار بازی تو مہابھارت کے وقت میں بھی ہوتی تھی۔ البیرونی نے اپنی تصنیف "الہند" میں لکھا ہے کہ برہمن شراب نہیں پیتے تھے اور ہندو خالی معدہ شراب پینے کے عادی تھے، اور بعد میں کھانا کھاتے تھے، مگر سوامی دیانند نے واضح لکھا ہے کہ برہمن بھی شراب کے عادی تھے۔ مسعودی اپنی کتاب "مروج الذہب" میں تحریر کرتا ہے کہ ہندوستان میں راجاؤں کے ہاں آبکاری کے محکمے قائم تھے اور یہ محکمہ جات حکومتوں کی آمدنی کا باعث تھے۔

دورِ جاہلیت میں عربوں کے ہاں شراب نوشی کا عام رواج تھا۔ اس وقت تک صرف عملِ تخمیر سے ہی شراب تیار ہوتی تھی۔ جسے خمر کہتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ کیف و سرور کے علاوہ وہ انہیں جری اور بہادر بنا دیتی ہے۔ اس کے بارے میں ان کے عجیب و غریب اعتقادات تھے۔ مثلاً اگر کسی دشمن سے بدلہ لینے کی ٹھان لیتے تو قسم کھاتے "قسم ہے خمر کی میں اس وقت تک ہاتھ نہ لگاؤں گا، جب تک اس کام کو نہ کر لوں وغیرہ۔" یعنی اس کی اہمیت ان کی روزمرہ زندگی میں شدت رکھتی تھی اور ہر کام کی تکمیل میں متحرک تھی۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (۶۹۸ھ تا ۸۸۸ھ) کے ملفوظات "جوامع الکلام" میں آپ نے فرمایا شراب کی حرمت کی وجہ سوائے ہوش و ضبط کے جانے اور عقل کے معدوم ہو جانے کے اور کوئی نہیں۔ پس ایک صفت کے لیے ایک لعنت کی پیروی کیا معنی، ہر چیز عقل کو معدوم کرے وہ حرام ہو گئی۔

شراب کی ممانعت

بہرحال جب ایسے واقعات رونما ہونے لگے تو صاحبانِ عقل و شعور رسولِ اکرمؐ سے اس بارے میں ذکر کرنے لگے اور بہت سی باتیں شراب کے بارے میں پوچھنے لگے۔ یکایک حکمِ ربی نازل ہوا :-

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط

(پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں کیا حکم ہے؟) جواب ملتا ہے۔ "ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کو کچھ منافع ہے مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہیں۔" (سورت البقرہ-۲۱۹)

یہ شراب کے بارے میں پہلا حکم ہے۔ جس میں صرف ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے تاکہ ذہن ان کی حرمت قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ پس منظر میں یہ بات تھی کہ ہجرت مکہ سے قبل اسلام کی دعوت دی جاتی رہی۔ مشرکین کے لیے یہ ایک غیر مانوس آواز تھی۔ ان بگڑے ہوئے حالات میں علاقائی رسم و رواج، جہلا کی موشگافیوں مخالفین کی نقادانہ آرا سے سابقہ پڑا۔ جس کی وجہ سے بتدریج

ان کے ذہنوں کو جھنجوڑا گیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد شراب کی ناپسندیدگی لوگوں میں عام ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔
ترجمہ :- اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ، نماز اس وقت پڑھنی چاہئے۔ جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ (سورت النساء - ۴۳)

اس آیت میں نشہ کے لیے لفظ "سکٰری" استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں نشے والی چیزیں، جن میں سے ایک چیز شراب بھی تھی۔ اس لیے یہ شراب کی حرمت کے سلسلہ میں دوسرا حکم سمجھا جاتا ہے۔ پہلے حکم کے بعد مسلمانوں کا ایک گروہ تقریباً شراب سے گریز اختیار کر چکا تھا۔ مگر بہت سے لوگ بدستور پی رہے تھے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات نشہ کی حالت میں ہی نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے۔ اغلب یہ ہے کہ ہجری چار کی ابتداء میں یہ حکم امتناعی صادر ہوا تو لوگوں نے شراب پینے کے اوقات تبدیل کر لیے اور رات کو بعد عشاء پینے لگے۔ اس لیے شریعت اسلامی کی مستحسن حکمت عملی سے کام لیا گیا اور شراب کو تدریجاً حرام قرار دیا گیا، کیونکہ یک لخت حرام کر دینے سے نتائج اچھے نکلنے کے امکانات شاید کم ہوتے۔

(عبدالسلام ندوی۔ تاریخ فقہ اسلامی ص - ۲۱)

اس کے بعد حرمت کا حکم نازل ہوا :-

ترجمہ :- اُے لوگو! جو ایمان لائے ہو، شراب، جوئے، یہ آستانے اور یہ پانسے۔ یہ سب گندے اور شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو، تم کو فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں نماز سے روک دے۔" (سورت المائدہ - ۹۰)

اب اس قطعی حکم آنے کے بعد رسول اللہ صلعم نے خطبہ میں لوگوں کو متنبہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے لہٰذا تم اس کو نہ فروخت کر سکتے ہو، نہ پی سکتے ہو۔ بلکہ اس کو ضائع کر دو۔ یہ سنتے ہی لوگوں نے مدینہ کی گلیوں میں پیپے بہا دیے۔ کسی نے دریافت کیا، ہم اس کو یہودیوں کو تحفہ میں دیں۔ آپ نے فرمایا، حرام چیز کا تحفہ حرام ہے۔ کسی نے دریافت کیا، ہم اس شراب کو بطور دوا استعمال کر لیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں وہ دوا نہیں، بیماری ہے اور ایک صاحب نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہم ایسے ملک کے باشندے ہیں جو بہت سرد ہے، برفباری ہوتی ہے۔ ہم تکان اور سردی کا مقابلہ اس سے کرتے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ شراب کو پی کر تمہیں سرور آتا ہے؟ جواب ملا جی! آپؐ نے فرمایا پس تم کو لازم ہے کہ نہ پیو۔

شراب کے مخرج

آج کل شراب کی تیاری کے عام طور دو طریقے رائج ہیں۔ عمل تخمیر اور عمل کشید، عمل تخمیر اوّلین طریقہ تھا جس سے ہزارہا سال سے شراب تیار کی جاتی تھی اور تھوڑی بہت تعداد میں آج تک رائج ہے۔ قرآن شریف میں اسی قسم کی شراب کا ذکر ہے اور اس کے لیے خمر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ خمر عربی لفظ ہے۔ خمر کے لغوی معنی ڈھانپ دینے، چھپا دینے اور کسی چیز میں خلط ملط ہو کر خلل کا باعث ہونے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے شراب کو خمر کہا گیا ہے، کیونکہ یہ عقل پر چھا جاتی ہے اور خلل کا باعث بنتی ہے۔ لیکن زبان عربی میں خمر کا لفظی اطلاق اسی شراب پر ہوتا ہے، جو انگور سے تیار کی گئی ہو، اور نشہ آور ہو (لسان و تاج العروس۔ مادہ خمر" القرطبی۔ ج ۲۔ ص ۵۲)، مگر حدیث میں آیا ہے۔ آپؐ نے انگور اور کھجور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ خمر (شراب)، ان چیزوں سے تیار ہوتی ہے (المفردات ج ۱۔ ص ۲۴۷) حضرت عمرؓ نے خطبہ میں فرمایا کہ خمر پانچ چیزوں سے بنی ہے (انگور۔ شہد، کھجور، گندم، جو) جو عقل کو ڈھانپ لیتی ہے (القرطبی۔ تاج العروس۔ ج ۱۔ ص ۱۳۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو کشید کی گئی ہو، اور عقل میں خلل اور فتور کا باعث بنے۔

(امام ابوحنیفہ۔ کتاب الخراج ص ۲۶۷)

ہجرت کے کافی عرصہ بعد تک شراب کی تیاری عمل تخمیر سے ہوتی تھی۔ ۱۵۰ ھ کے قریب جابر نے عمل کشید ایجاد کر لیا۔ جابر بن حیان اوّلین دور کا ایک عربی النسل علم کیمیا کا ماہر تھا۔ جس نے کتاب المائتہ و الاثنا عشر اور کتاب السبعین لکھ کر

(کیمسٹری) کیمیا میں عمل کشید و عمل تقطیر کے سبب انگیز باب کا اضافہ کر دیا۔ اس کی ایجاد سے شراب کی تیاری ایک نئے دور میں داخل ہو گئی اور عمل تخمیر کے ساتھ عمل کشید سے بھی شراب تیار ہونے لگی۔ کچھ عرصہ کے بعد الکوحل معرض وجود میں آ گئی۔ الکوحل عربی زبان کا لفظ ہے۔ عربی میں اس کے معنی ناپاک روح کے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جابر بن حیان نے یہ نام اس محلول کے عملی اثرات کی بنا پر دیا تھا۔ (جنرل آف اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن امریکہ، ستمبر ۱۹۷۶ء، ص ۱۵)

انسائیکلو پیڈیا برٹینکا ۱۹۶۶ء میں مرقوم ہے کہ الکوحل کا مادہ (کوحل) یا (کوحول) ہے۔ جو ایسے مرکب کے لیے استعمال ہوتا ہے جو مستورات آرائش یا تزئین کے لیے استعمال کرتی ہیں جن سے چہرہ کی خامی ڈھک جائے یا چھپ جائے۔ مگر جو قرآن شریف میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے لغوی معنی بھی ڈھک دینے یا چھپا دینے کے ہیں۔ اس وجہ سے ان دونوں الفاظ کا ایک ہی معنی میں استعمال مظہر ہے۔

شراب کی اقسام

جب الکوحل تیار ہو گئی تو یہ ایک جزو کے طور پر شراب میں استعمال ہونے لگی۔ دراصل شراب میں الکوحل ہی وہ عمل ہے جو کیف وسرور یا نشہ کی کیفیت اس کے استعمال کنندہ پر طاری کرتی ہے۔ مختلف ارتکاز کی الکوحل مختلف قسم شرابوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ کچھ اقسام کی شرابوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ جن کے سامنے الکوحل کی ارتکاز فی صد حجم بہ حجم تحریر ہے:-

(وہسکی) ۴۰ فیصد، (جن) ۵۱-۵۹ فیصد، (واٹ ۵۹) ۹-۱۳ فیصد (رم) ۵۱-۵۹ فیصد، (واکا) ۴۰-۵۰ فیصد، (برانڈی) ۴۰-۵۰ فیصد، (پورٹ) ۲۰ فیصد، (شیری) ۲۰ فیصد، (میڈیرا) ۱۸ فیصد (کلیرٹ) ۸-۱۲ فیصد، (شمپین) ۱۰-۱۲ فیصد، (سی ڈر) ۱۰ فیصد (ایل) ۳-۴ فیصد، (پورٹر) ۳-۷ فیصد، (بیئر) ۲-۳ فیصد، (ہاکس) ۹-۱۵ فیصد، (ایپل زیک) ۶-۱۲ فیصد، (کومیس) ۱-۳ فیصد۔

شراب کے جسم پر اثرات

آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ الکوحل کے اثرات جسم کے مختلف حصوں پر کیا ہوتے ہیں۔ چند قطرے الکوحل کے پانی میں حل کر کے پینے سے نظام انہضام کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ بھوک بڑھتی ہے۔ غذا کو ہضم ہونے میں مدد ملتی ہے۔ زیادہ استعمال سے معدہ کی جھلی متورم ہو جاتی ہے اور سوزش بڑھتی ہے۔ چھوٹی آنت تک آتے آتے الکوحل دوران خون میں داخل ہو جاتی ہے۔ جگر پر الکوحل کا سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ جگر کے افعال میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے اور جگر کے خلیوں میں چکنائی کے انحطاطی ردّ عمل شروع ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد متواتر استعمال سے ان خلیوں میں انحطاط کی شدت ہوتی ہے اور دیر یا بدیر چند خصوصی نوعیت کی بیماریاں مثلاً سی روسیس۔ آئے سائی ٹس اور لحمیاتی لحمیابی کی متعدد بیماریوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں۔ دوران خون میں اس کے اثرات انعکاسی افعال کی شکل میں رونما ہوتے ہیں، جن سے حرکت قلب بڑھ جاتی ہے اور خون کی نالیوں کا پھیلاؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ الکوحل کے جسم کے اندر جذب ہونے سے انسان کو گرمائی کا احساس ہوتا ہے۔ جس سے اعضاء میں تشنج بڑھ جاتا ہے اور زیادہ جذباتی کیفیت طاری ہوتی ہے اور اس کے بعد عضلات ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ غنودگی طاری ہونے لگتی ہے اور خون کا دباؤ گر جاتا ہے۔

اعصاب پر بھی انحطاطی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی نوعیت الکوحل کے ارتکاز اور مقدار پر منحصر ہوتی ہے۔ زیادہ مقدار میں استعمال سے جلد اعصابی کیفیت نمودار ہوتی ہے۔ جب کہ کم مقدار اور ہلکے ارتکاز کی الکوحل سے یہ کیفیت کم ہوتی ہے۔ بہر حال ارتکاز اور مقدار کے بموجب سب سے پہلے قوت فیصلہ اثر انداز ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے شرابی (تا وقتیکہ عادی نہ ہو) لڑکھڑانے لگتا ہے۔ جسمانی حرکات سے گرفت اٹھنے لگتی ہے، کبھی ہنستا ہے، کبھی چیختا ہے، کبھی روتا ہے، طرز کلام عام انسانوں سے یکسر مختلف ہوتا ہے اور کبھی کبھی بول و براز اعصابی کنٹرول سے بے قابو ہو جاتے ہیں۔ بیشتر جسمانی حرکات دماغ کے تابع ہوتی ہیں، مگر بہت سی حرکات خود کار بھی ہوتی ہیں۔ اور بعض حرام مغز کے ماتحت ہوتی ہیں۔ مرکزی نظام اعصابی معطل ہو جانے سے ایک ضرب جو عام انسان کے لیے شدید یا مہلک ہو سکتی ہے۔ ایک شرابی اس کے احساس سے قاصر رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شراب نوشی کے

بعد ایک کار یا ٹرک کا ڈرائیور قوت فیصلہ کی گرفت سے باہر ہو کر گاڑی چلاتے وقت یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کا کنٹرول گاڑی پر پہلے سے زیادہ اچھا ہو گیا ہے اور مے نوشی کے بعد ڈرائیونگ میں وہ ایسے ایسے خطرات کی پرواہ کئے بغیر چلتا ہے۔ جتنا کہ وہ بغیر مے نوشی کے ہرگز ہرگز نہیں چلا سکتا تھا جس کی وجہ صرف اعصاب کے اور اعضا کے کنٹرولنگ سنٹر کے باہمی رابطہ کا قطع ہو جانا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس قسم کے حادثات رونما ہوتے ہیں۔

شراب سے فرار

مغربی ممالک میں مے نوشی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ صاحبان عقل وغیرہ کے لیے یہ ایک مصیبت بن گئی ہے۔ کثرت سے جنسی واقعات اور ڈرائیونگ کے حادثات نے ان کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اگر وہ اسی نہج پر چلتے رہے تو معاشرتی اور سماجی قباحتوں اور مشکلات سے مفر نہیں۔ چند ممالک نے اس پر کنٹرول کے لیے مختلف طریقوں سے گرفت پانے کے اسباب تلاش کئے ہیں۔

کینیڈا نے شراب اور لائسنسنگ ایکٹ باب ۲۸ صفحہ ۲۳۵ - ۲۵۹ مورخہ ۲۶ر جون ۷۵ء دفعات ۳۹، ۴۰ اور کے تحت شراب کی فروخت پر پابندی لگا دی کہ کوئی شراب فروش نابالغ کو شراب فروخت نہیں کر سکتا۔ معالج کے اجازت نامے کے باوجود بغیر کسی سرپرست کے کسی ایسے شخص کو شراب نہیں فروخت کر سکتا جو عمر میں کم معلوم ہو۔ ایسا کرنے والا اس دفعہ کے تحت سزا کا مستوجب ہوگا۔ امریکہ کے ایک اور ملک کوسٹاریکا نے قانون نمبر ۲۷، ۱م، ایس پی پی ایس مورخہ ۷ر مئی ۷۴ء کے تحت ایک نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف الکوحل ازم قائم کیا۔ اس قانون کے تحت یہ انسٹی ٹیوٹ کے حسب ذیل کام ہیں:-

۱- شراب اور معاشرہ کے حالات پر ریسرچ کرنا۔
۲- شراب کی روک تھام اور فروخت کرنے پر کنٹرول،
۳- شراب کی بڑھتی ہوئی شدت کو معاشرے میں روکنا اور معاشرہ کی نفسیاتی، حیاتیاتی اور معیشی پہلوؤں پر ریسرچ کرنا۔
۴- شراب کی عادت چھڑانے کے لیے ایسے ادارے قائم کرنا جہاں شراب پینے والوں کا علاج ہو سکے۔

قانون نمبر ۵۴۴۳ ایس پی پی ایس مورخہ ۱۹ر اگست ۷۴ء کے تحت کوسٹاریکا میں قانوناً شراب کے طریقۂ تشہیر پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف الکوحل ازم کو اختیارات دیے گئے کہ اس کی تشہیر کی فنی پہلوؤں پر غور کرے اور پابندی کے عمل کی تجویزوں پر عمل درآمد کرائے۔ فن لینڈ میں قانون نمبر ۱۰۳۸ مورخہ ۳۱ر دسمبر ۷۲ء ۱۹ کو شراب نوشی کی وجہ سے بیماریوں کے طریقہ علاج پر عمل درآمد کرتے ہوئے پہلی مرتبہ دفعات مرتب کی گئیں اور یہ لازم قرار دیا کہ بجائے ایک علیحدہ ادارہ قائم کرنے کے موجودہ ہسپتالوں اور علاج گاہوں میں ایسے مریض کو جو شراب کے عادی ہوں داخل کیا جائے اور ادارہ سماجی فلاح و بہبود ایسے اشخاص کی نگہداشت کرے۔ یو ایس اے میں بیورو آف نارکوٹکس ایکٹ مورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۲ء ترمیم شدہ ایکٹ مجریہ ۱۹۷۰ء کے تحت ایک دفعہ ۲۰۴ میں انسانی فلاحی ریسرچ کمیٹی قائم کی گئی، جس کو منشیات والکوحل سے تیار کردہ مشروبات کے کنٹرول اور روک تھام کی تدابیر سے متعلقہ مشاورتی کونسل سے رابطہ کرا کے متعدد دفعات کے تحت اس پر پابندیاں لگائی گئیں۔ بہرحال یہ تمام اسکیمیں وقراردادیں معاشرہ کے روبصحت ہونے کی نشانیاں ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ اسلام نے تو پہلے ہی اس شے کو نجس قرار دیا۔ اگر اسلامی احکام و فرامین پر عمل کیا جائے تو بعد میں اس ناپاک چیز کے نقصانات پر توجہ دینے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔

شراب کا ادویات میں استعمال

ہمارے گردوپیش کی دنیا میں ایک ایسا نظام معاشرت نہ صرف عملاً ہم پر محیط ہے بلکہ ہمارے دل و دماغ پر اس کے اصول یا نظریات اس طرح چھا گئے ہیں کہ ہم جب کسی معاشرتی، اقتصادی، بین الاقوامی سطح پر سوچتے بھی ہیں۔ تو ہمارا نقطہ نظر کا نقطہ انعکاس وہی ہوتا ہے جو مغربی اقوام نے ہم پر مسلط و منضبط کر دیا۔ ہمارے ذہن، چال چلن، تہذیب و تمدن، اخلاق و عادات، بحث و تحقیق، جواز و عدم جواز کے اصول و نظریات بھی دلوں سے محو خرام ہیں۔ یہ طریقۂ سوچ جن نتائج پر منتج ہوتا ہے۔ وہ اصولاً غلط ہے۔ اب اگر کسی مسئلہ پر مغربیت کے

اصول و نظریات کی عینک چڑھا کر اسلام کے معاشرتی احکام میں کسی حکم پر نظر ڈالی جائے تو لامحالہ پردہ بصارت پر اس کا عکس اسی انداز سے پڑتا ہے۔ بقضا محدب شیشہ عینک میں استعمال ہوا ہے۔ ایلوپیتھی طریقہ علاج میں ان افکار کی علت و حرمت کو معاشرتی مفکرین و فرنگی اساتذہ طب نے احکامات قرآن و سنت نبوی سے بے بہرہ ہو کر اپنی اغراض و مصالح سے طریقہ علاج کے در پردہ میں سارے اسلام کے فرامین سے بیگانہ کر دیا ہے۔ مروجہ ایلوپیتھی میں جتنے بھی ٹنکچر، الوا اور اسپرٹ جو ادویات میں مکسچر بنانے کے کام آتے ہیں۔ ان سب میں الکوحل کا استعمال رائج ہے۔ اس لیے چند روزمرہ کی ادویات جن کی فہرست و الکوحل کی مقدار بھی آپ کی اطلاع کے لیے مرقوم ہے، حسب ذیل ہے:۔

(اول) طاقت کی ادویات میں الکوحل کی مقدار:۔

(بی جی فاس) ۱۱٪ (واٹربری کمپاؤنڈ) ۵ء۹٪ (گرائپ واٹر) ۴٪ (ریٹالن) ۱۶٪ (بی کمپلیکس کمپاؤنڈ شربت لی ڈرلے کمپنی) ۲۰٪ (روائی برونا) ۱۸٪ (ون کارنس) ۲۲٪ (فاسفولیسی تھن) ۴۴٪ (پلاچیری شربت) ۵٪

(دوم) زکام و کھانسی کی ادویات میں الکوحل کی مقدار:۔

(کوریبان کف سیرپ فائی زر کمپنی) ۵ء۷٪ (ڈائی فن ہائیڈرامین، پارک ڈیوس کمپنی) ۱۲٪ (سائی ٹرکس ایبٹ کمپنی) ۵٪

اول نمبر ادویات کا استعمال میں طاقت کا جزو سوائے الکوحل کے اور کیا ہے، جسے ہم خود کو طاقتور بنانے یا سردی سے بچنے کے لیے پیتے ہیں اور اس حدیث کو بھول جاتے ہیں کہ جب رسول اکرم سے دریافت کیا گیا کہ سردی میں ہم شراب استعمال کریں۔ آپ نے انکار کر دیا۔ (مسند احمد۔ بخاری۔ مسلم)

دوم نمبر ادویات زکام اور کھانسی میں استعمال ہوتی ہیں۔ کیا الکوحل کا استعمال کیے بغیر کھانسی رفع نہیں ہو سکتی۔ کیا رسول پاکؐ نے نہیں فرمایا کہ شراب علاج نہیں خود بیماری ہے۔ اور ہرگز استعمال نہ کرو۔ (بخاری۔ کتاب الحدود)۔

ان کے علاوہ ہومیوپیتھی میں تو تقریباً تمام ادویات میں الکوحل ہوتی ہے مگر چاہے وہ ایک قطرہ بھی کیوں نہ ہو، حرام تھے حرام ہے۔ (ترمذی)

شراب نوشی کی سزا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے والوں کی خاص سزا مقرر نہیں تھی۔ جو شخص یہ جرم کرتا۔ گھونسے، مکے، لاتیں، بل دی ہوئی چادر کے کوڑے مارتے، کھجور کی شاخیں مارنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ بعض میں زیادہ سے زیادہ چالیس کوڑے مارنے کی سزا دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے بعد میں دیکھا کہ لوگ باز نہیں آتے تو اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا مقرر کر دی۔ اسی سزا کو امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے بھی شراب کی حد بنا دیا۔ مگر امام حنبل نے ۴۰ کوڑوں کو مناسب خیال فرمایا۔ حضرت علی نے بھی یہی رواج رکھا تھا۔

محمد بن جریر طبری نے خلافت راشدہ کے عہد ۱۸ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو چند مسلمانوں کے شراب پینے کے بارے میں لکھا جس میں ضرار اور ابوجندل بھی تھے۔ اور وہ لوگ اس کی تحویل میں قرآن شریف کی یہ آیت بتاتے تھے (فھل انتم منتھون) اور اس کا ترجمہ یوں کرتے "کیا تم باز آنے والے ہو" اور پھر وہ لوگ کہتے تھے۔ اس میں ممانعت تو نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب تحریر کیا۔ چونکہ اس آیت کا مطلب ہے "تم باز آجاؤ"۔ اس لیے یہ آیت ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کن ہے۔ ابوعبیدہؓ کو ہدایت کی کہ تم ان آدمیوں کو بلاؤ اور مطلب بتاؤ۔ پھر اگر وہ کہیں کہ شراب حرام نہیں تو ان کو قتل کر دو۔ اگر کہیں کہ شراب حرام ہے اور ان سے غلطی ہو گئی تو اسی کوڑوں کی حد قائم کرو۔ ابوعبیدہؓ نے ان کو بلایا۔ پھر یہ لوگ توبہ کر گئے۔

جنت کی شراب

اللہ تعالیٰ سے زیادہ انسان کی علتوں اور جبلتوں اور دلوں کی پنہائیوں میں پوشیدہ خواہشات سے کون واقف ہو گا۔ اس رب جلیل کو علم ہے کہ انسان شراب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مگر اس کے

کے حکم سے حرمت کر گیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک بچہ جس کو مٹھائی اچھی لگتی ہے۔ وہ پاس پڑوس کے گھر سے مانگ کر کھانے میں عار نہیں سمجھتا۔ ماں پیار سے بچہ کو مانگنے سے منع کرتی ہوئی کہتی ہے کہ بیٹا اگر تم مانگنا چھوڑ دو تو میں شام کو ایک لڈو دیا کروں گی اور حسب وعدہ دے دیتی ہے ماں کا اصل مقصد بچہ کو مانگنے کی عادت کو ترک کرانا ہے بعینہٖ اس رب العالمین کو علم ہے کہ میرے بندوں نے میرے حکم پر شراب ترک کر دی۔ اب اس کا انعام ملاحظہ ہو۔

بَیْضَاءَ لَذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ لَا فِیْہَا غَوْلٌ وَّلَا ہُمْ عَنْہَا یُنْزَفُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت ۴۶-۴۷)

چمکتی ہوئی شراب جو پینے میں لذیذ ہوگی، نہ اس سے جسم کو ضرر پہنچے گا اور نہ اس سے عقل خراب ہوگی۔

یعنی وہ شراب جنت میں دی جائے گی۔ جو ان دونوں قسم کی خرابیوں سے مبرّا ہوگی، جو دنیاوی شراب میں ہوتی ہیں۔ دنیا کی شراب میں ایک تو خرابی اس کی بُو ہوتی ہے جو ناپسندیدہ ہوتی ہے (گو اب ماہرین شراب اس کوشش میں ہیں کہ یہ خرابیاں دُور کر دیں) پھر اس کا ذائقہ تلخ اور بدمزہ ہوتا ہے۔ پھر حلق سے اتر کر دل و دماغ کو فوراً اور جگر کو بدبر متاثر کرتی ہے اور انسان کی صحت پر بُرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ پھر جب نشہ اتر جاتا ہے تو اعصاب میں انحطاطی عمل ہوتا ہے۔ یہ سب قرآن پاک نے جسمانی ضرر شمار کئے ہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ انسان شراب پی کر بہک جاتا ہے اور عقل و دانش متاثر ہوتی ہے۔ یہ شراب کے عقلی نقائص ہیں۔ انسان صرف جز وقتی سرور کی خاطر یہ سارے نقصانات برداشت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت کی شراب ان تمام نقائص سے بالاتر ہے جس میں پینے والوں کے لیے لذت یعنی کیفیت سرور تو ہوگی، لیکن نہ جسم کو نقصان دے گی نہ عقل بہکے گی۔ اب یہ فیصلہ آپ پر ہے کہ دُنیا کی زندگی میں چند یوم شراب پی کر خود کو بیماریوں اور سینکڑوں مشکلات کے ساتھ ساتھ خدا تعالےٰ کے احکام سے بھی انکار کر کے خود کو آخرت میں حساب کے دن دوزخیوں کی قطار میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں یا اس دنیا میں شراب نہ پی کر بعصمت رہیں اور خداوند جلّ وعلیٰ کے سامنے سرخرو کھڑے ہوں اور ہمیشہ ہمیشہ کی جنت کی زندگی میں انعام دہندہ سے شراب کے طالب ہوں جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔

شراب خانہ

خراب کو اسلام نے اُم الخبائث قرار دیا ہی تھا۔ مگر اب مغربی معاشرے میں اس کی مضرتوں کے قائل ہونے لگے ہیں۔ ان معاشروں میں معیارِ زندگی کی بلندی کے ساتھ شراب کو غذا کا جزو بنا لیا گیا ہے اور اب ایک مشہور ماہر غذائیات پروفیسر شِبلر نے اعداد و شمار کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ترقی یافتہ مغربی معاشروں میں جتنی جان لیوا امراض موجود ہیں وہ شراب نوشی کا نتیجہ ہیں۔ ان پروفیسر صاحب نے تو یہاں تک کہا ہے کہ پھیپھڑے اور زبان کے سرطان کا بڑا سبب تمباکو نوشی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ شراب زیادہ بڑا سبب ہے اور جو تمباکو نوش سرطان میں مبتلا ہوتے ہیں وہ شراب نوش بھی ہوتے ہیں۔ ان پروفیسر صاحب کا تجزیہ یہ ہے کہ مغربی معاشروں میں جو مادی خوشحالی آئی ہے اس نے شراب کا چسکا لگایا ہے اور اسی نے ایسی پُر تکلف غذاؤں کا استعمال بڑھایا ہے جو دل، جگر، معدے، دورانِ خون، ذیابیطس اور گنٹھیا کے امراض کا باعث بن گئی ہیں۔ الغرض روپے پیسے اور مادی وسائل کی فراوانی نے انسان کو ایسی علتوں کا شکار بنا دیا ہے۔ جو نہ صرف جان لیوا امراض کو جنم دیتی ہیں بلکہ معاشرتی اعتبار سے بھی سنگین نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔

(بشکریہ عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ۔ لاہور)

بقیہ: صدیق اکبرؓ

ابوبکر نے عرض کیا خدا کی قسم آپ اندر نہ جائیں میں جاتا ہوں اگر اس کے اندر نہ جائیں اور جو گزند ہونا ہے مجھے پہنچ جائے گا یہ کہہ کر اندر داخل ہوئے غار کو صاف کیا۔ ایک طرف چند سوراخ نظر آئے۔ ان کو اپنا تہ بند پھاڑ کر بند کیا پھر بھی دو سوراخ رہ گئے تو دونوں پاؤں سے ان کے دہانے بند کر دیئے پھر رسول پاک سے کہا۔ اب اندر تشریف لے آئیے۔ حضور والا اندر تشریف لے گئے اور ابوبکر کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے کہ ابوبکرؓ کے پاؤں میں اندر سے سانپ نے کاٹ لیا مگر حضور والا کی بیداری کے خوف سے ابوبکرؓ نے حرکت نہ کی۔ جب آنسو رسول پاک چہرے پر ٹپکے تو آپ بیدار ہو کر فرمایا۔ ابوبکر! کیا بات ہے؟ ابوبکر نے عرض کیا۔ حضور پر میرے ماں باپ قربان ہوں مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے حضور والا نے اپنا لعاب دہن لگا دیا ابوبکرؓ کی تکلیف جاتی رہی۔ خلافت کے بعد پھر اس کا دورہ پڑا اور یہی ان کی وفات کا سبب ہوا۔ اور دن سے مراد میری وہ دن ہے کہ جب رسول آنحضرت کی وفات ہوئی تو اہل عرب مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ اونٹ کا ایک زانو بند بھی لوگ اگر مجھے نہ دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ میں نے کہا اے رسول اللہ کے خلیفہ! لوگوں سے نرمی اور الفت سے پیش آئیے۔ فرمایا جاہلیت میں تو تو بڑا سخت اور متشدد تھا۔ اب کیا اسلام میں بزدل اور نامرد بنتا ہے؟ بات یہ ہے کہ وحی کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا۔ اب دین کامل ہو چکا۔ اب کیا میری زندگی میں دین میں نقصان آ سکتا ہے؟ (مشکوٰۃ فضائل حضرت صدیق)

قریش میں آپ نہایت معزز سمجھے جاتے تھے اور ان کے ہر قسم کے مقدمات کا فیصلہ بھی آپ ہی کرتے تھے۔ بڑے مالدار اور تاجر پیشہ تھے۔ دور دراز ملکوں تک آپ کی تجارت کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ آپ بڑے سخی اور رحمدل تھے۔ آپ ہی نے حضرت بلال کو امیہ بن خلف سے ایک رومی غلام نسطاس کو اور بہت سا مال دے کر خریدا تھا اور پھر انہیں آزاد کر دیا۔ امیہ بن خلف حضرت بلال کو اسلام لانے کے جرم میں بہت مارتا تھا۔ صدیق اکبر کے پاس چالیس ہزار درہم تھے زیادہ تر مکہ معظمہ میں آنحضرت اور مسلمانوں کے خرچ پر صرف ہوئے مسجد نبوی کی زمین خریدی گئی۔ اللہ کی راہ میں اتنا خرچ کیا کہ آپ کے پاس کچھ نہ رہا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں آیت نازل فرمائی۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (پ۳۰ سورۃ واللیل)¹

شانِ صدیقؓ

تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے افضل حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں:

امام شافعی جو اصحابہ کے حالات سے سب سے زیادہ واقف ہیں فرماتے ہیں کہ رسول خدا کے لوگ بیقرار ہو گئے۔ پس ان کو حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر کوئی بہتر شخص آسمان کے سایہ تلے نہیں ملا۔ پس انہوں نے ان کو اپنا والی بنایا۔ یہ صریح دلالت ہے اس امر کی کہ تمام صحابہ سے افضل حضرت ابوبکر ہیں۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر اول مکتوب ۵۹)

آپ زہد و تقویٰ کے پیکر تھے۔ آپ نے ساری زندگی آنحضرت کے ساتھ گزاری اور آپ کی جانی اور مالی قربانیوں کا کوئی شمار نہیں۔ مسجد نبوی میں رسول پاک نے سوائے صدیق کے سب دروازے بند کرا دیئے تھے۔ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص محبت اور عشق تھا۔

ع: پروانے کو چراغ بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے خدا کا رسول بس

ہجرت کے موقعہ پر آنحضرت کا آپ کے گھر تشریف لے جا کر دروازے پر دستک دینا حضرت صدیق اکبر کی کتنی سعادتمندی ہے۔ پھر سیدنا صدیق اکبر کا آپ کے کندھوں پر اٹھانا اور غار تک لے جانا کس قدر خوش قسمتی ہے۔ آپ کے زریں کارناموں کو دنیا کبھی بھول نہیں سکتی۔

حضرت ابوبکر صدیق آنحضرت کے خلیفۂ اول ہیں۔ تاریخ میں آپ کے بہت سے نام ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور ابوبکر اور صدیق ہیں عتیق اور عبداللہ بھی آپ کے نام ہیں۔ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالکعب تھا۔ آٹھویں پشت میں مرۃ بن کعب پر آپ کا نسب حضور سے مل جاتا ہے۔

آپ کی ولادت رسول اللہ کی ولادت کے دو سال بعد چند ماہ بعد ہوئی وفات بھی دو برس ۳ ماہ اور چند دن بعد اور عمر بھی ۶۳ سال کی ہوئی۔

آپ اسلام اور جاہلیت دونوں ادوار میں باوقار اور وضعدار

---

¹ ترجمہ: پس جس نے اللہ کی راہ میں دیا اور کلمۂ توحید کو سچ جانا تو ہم اس کیلئے جنت کی راہیں آسان کر دیں گے۔

ہے۔ دور جاہلیت میں کبھی بت پرستی نہیں کی۔ شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا اہل عرب کے انساب کا علم آپ کو سب سے زیادہ تھا۔

آپ مکہ میں مردوں میں سے سب سے پہلے رسول کریم کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۸ برس کی تھی۔ ہجرت کے وقت آنحضرتؐ کے ساتھی اور رفیق سفر تھے۔ حضور اکرم کے ساتھ زندگی کے ساٹھ سال گزارے آپ سچے عاشق۔ اسلام کے شیدائی اور مخالفین اسلام کے لئے بہت سخت تھے۔ جھوٹے نبیوں اور مرتد قبائل کو آپ نے زیر کیا اور بہت سے فتنوں کا سر کچل کر رکھ دیا۔

بقیہ : احادیث الرسولؐ

(۳) امانت میں خیانت نہ کرو بلکہ پوری پوری ادا کر دو۔

(۴) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو کہ اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہونے پائے اپنے آپ کو زنا اور بدکاری سے بچاؤ۔

(۵) نگاہیں نیچی رکھو کہ بُرے جذبے ابھارنے والی چیزوں پر آنکھ نہ پڑے۔

(۶) اپنے ہاتھوں کو غلط کاموں سے، مار پیٹ سے اور لڑائی جھگڑے سے روکو۔ جو شخص قیامت اور جزا و سزا پر ایمان رکھتا ہے کیا اس کے لیے جنت حاصل کرنی زیادہ مشکل ہے؟ ہرگز نہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ ان وعدوں پر قائم رہے اور اپنے آپ کو غلط کاموں سے باز رکھے۔

ایک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی !

کتنی روح فرسا ہے یہ خبر کہ اکابر اسلاف کی نشانی اور حضرت قطب عالم شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت پیرجی عبداللطیف آف جیجہ وطنی انتقال فرما گئے۔ انا للہ۔

دنیا بڑی تیزی سے اہل اللہ کے وجود سے خالی ہو رہی ہے جو قیامت کی آمد کا اشارہ ہے۔

پیرجی قدس سرہٗ کی مجلسوں میں بیٹھنے والے اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان کو دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا۔ ان کے اخلاق و کردار مثالی تھے، بڑوں کے معاملہ میں ان کا رویہ مثالی تھا جبکہ چھوٹوں پر ان کی شفقت قابل دید! اکابر علماء حق اور جمعیۃ علماء اسلام سے وابستگی لازوال تھی۔ اور وقت کا کوئی تھپیڑا انہیں اس راہ سے نہ ہٹا سکا۔

ہم اس مرد فقیر کی جدائی پر خود اپنے آپ کو یتیم محسوس کرتے ہیں۔ کہ یہ صدمہ ملی اور قومی نوعیت کا ہے اور اس اعتبار سے ہم خود مستحق تعزیت ہیں۔ تاہم الاقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق ان کے اعزہ اور اہل خانہ سے تعزیت کرتے ہوئے ربّ کعبہ کے حضور عرض گزار ہیں کہ اے اللہ! تو اس مرد درویش کی قبر کو جنت کا باغیچہ بنا اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما۔

(مدیر)

دقیہ مہر والے لیتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا مہر ربوبیت کیساتھ بیان تک نظر ہوتا ہے ۳ کمبخت بھرا ہوا انسان اگر پاس لیٹ جائے تو چپ ہو جاتا ہے۔ گود میں فقط اٹھائے تو مطمئن نظر آتا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان
کو دکھایا گیا ہے کہ انسان بطور نمونہ
کے ایک ادنیٰ سے نمونہ کے ساتھ
جب تمہیں اتنا سخت اُنس ہے تو
تمہیں منبع ربوبیت کے ساتھ بطریق
اولیٰ اُنس ہونا چاہیئے جو سارے جہان
کا حقیقی مربی ہے بلکہ تمہیں چاہیئے نظر
جما کر ہر نعمت کے لئے حقیقی مربی کا شکر
بجا لانا چاہیئے (۲) صفت ربوبیت کے
تین مظہر ہیں جن کے ساتھ ہر انسان کا
تعلق ہے: باپ، ماں اور بادشاہ

خلاصہ سورۂ بقرہ
رکوع ۱ تا ۱۸ مناظرہ بالیہود۔ رکوع ۱۹
تہذیب اخلاق۔ رکوع ۲۰ تا ۳۳ تدبیر
منزل۔ رکوع ۳۳ تا ۳۸ سیاست مدنیہ
دو شعبے ملک گیری و ملک داری۔ رکوع
۳۹ تا ۴۰ خلافت کبریٰ۔

پدری اور مادری رحمت میں فرق۔ باپ
یہ چاہتا ہے کہ بیٹا صاحب فضل و
کمال ہو جائے خواہ کتنی ہی محنت کرے

خلاصہ رکوع ۱
یہود کو دعوت الی الکتاب و
اوصاف متقین۔
ماخذ آیت ۲، ۳، ۴۔

شفقت اٹھائے مصیبتیں جھیلے مگر
اس قابل ہو جائے کہ دنیا کی زندگی اپنے
ہمعصروں میں عزت سے بسر کر سکے اسی
جذبہ کے ماتحت بعض اوقات باپ بچے
کو استاد کے سپرد کرتے وقت یہ کہہ دیتا
ہے کہ اس کی ہڈیاں ہماری اور گوشت
تمہارا۔ ماں کا دل یہ چاہتا ہے کہ
بیٹے کو کھانا عمدہ نصیب ہو اس کا
لباس قیمتی ہو کپڑے ستھرے ہوں
میٹھی نیند سوئے خدا نخواستہ بجائے خود
کوئی اسے گھورے بھی نہ پائے۔ اگر
اُستاد کبھی بچے کو تھپڑ مارے تو اُسے
کوستی ہے بددعائیں دیتی ہے۔ رحمٰن
اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو باپ کی
سی رحمت عمومی کا منبع ہے بلکہ باپ
تو فقط اولاد کی دنیاوی سرفرازی کا
متمنی تھا اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے

الم ۱ | البقرة ۲

آیاتہا ۲۸۶ | ۲ سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۸۷ | رکوعاتہا ۴۰

آیتیں ۲۸۶ سورۂ بقرہ مدنی ہے رکوع ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۞ ۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ ۲ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے جو بن دیکھے ایمان

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے

يُنْفِقُوْنَ ۞ ۳ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اُتارا گیا

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ

آپ پر اور جو آپ سے پہلے اُتارا گیا اور آخرت پر بھی

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۞ ۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى

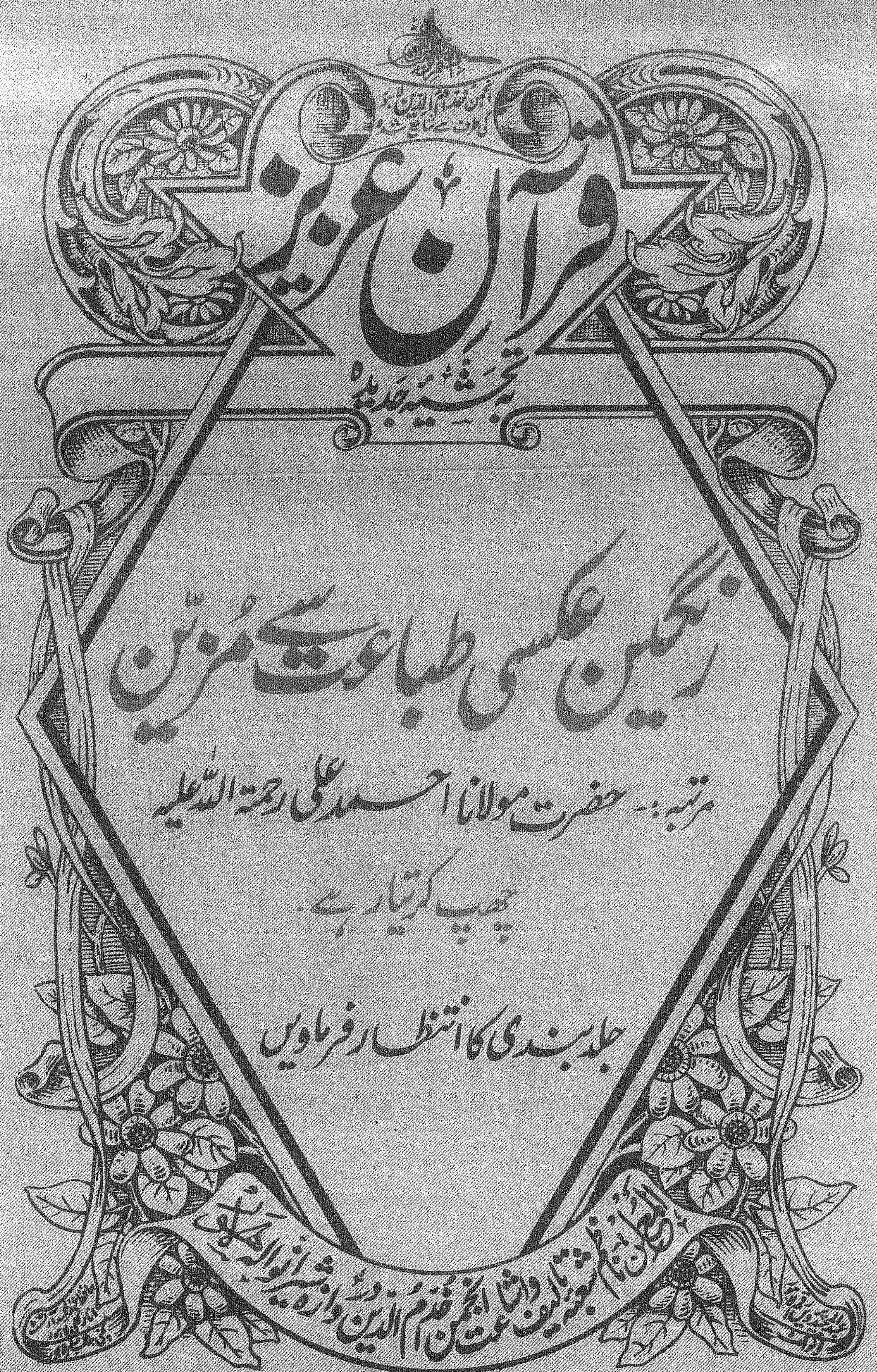
وہ یقین رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے

مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ ۵

راستہ پر ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں

منزل ۱

انسان ایسے کمالات اپنے اندر پیدا کرے جن سے غیر متناہی زمانہ تک اپنے ہمعصروں کی نسبت زیادہ سکھے اور رحیم وہ صفت ہے جس کا اقتضا یہ ہے کہ انسان اپنی سعادت کے باعث ایسا ہو جائے کہ دنیا میں آرام کی زندگی



قرآن عزیز
بہ تحشیہ جدیدہ
رنگین عکسی طباعت سے مزیّن
مرتبہ:- حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ
چھپ کر تیار ہے۔
جلد بندی کا انتظار فرماویں